اپریل ۱۹۷۱

ماہنامہ

حیات نو

”ہمیں یہ حقیقت کبھی نہ بھولنی چاہئے کہ اسلامی
نظام محض کاغذی نقشوں اور زبانی دعوؤں کے بل پر قائم
نہیں ہوسکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر
ہے کہ آیا اس کی پشت پر تعمیری صلاحیتیں
اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں
کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ کی توفیق سے علم
اور تجربہ ہر وقت رفع کر سکتا ہے لیکن
صلاحیت اور صالحیت کا فقدان سرے سے
کوئی عمارت ہی نہیں اٹھا سکتا اور اٹھائے بھی
تو سہارا نہیں پا سکتا“

(سید مودودیؒ)

انجمن طلبۂ قدیم
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی (الہند)

آپ کے

مشورے

جی ہاں! آپ کے قیمتی مشوروں کی ہمیں بیحد ضرورت ہے

- حیات نو کو معیاری اور بہتر بنانے کے سلسلے میں
- حیات نو کے خصوصی نمبرات کے سلسلے میں
- حیات نو کو مالی لحاظ سے مستحکم بنانے کے سلسلے میں

ہمیں آپ کے تحریری

مشوروں کا انتظار

رہیگا۔

شکریہ

ادارہ

ماہنامہ حیات نو

نقوشِ حیاتِ نو

جلد ۴ شمارہ ۴

جمادی الاول ۱۴۰۱ھ

مطابق اپریل ۱۹۸۱ء

مدیر: عبید اللہ فہد فلاحی

مدیر مسئول: نور محمد فلاحی

سالانہ زر تعاون	۲۰/-
ششماہی زر تعاون	۱۲/-
طلبہ اور لائبریریوں کیلئے	۱۵/-
فی شمارہ	۲/-
خصوصی زر تعاون	۱۰۰/- تا ۲۰۰/-

عنوان	مصنف	صفحہ
۱۔ رسوائیوں کا تاج محل (اداریہ)	دانش فلاحی	۳
۲۔ قرآن کا مطالعہ	مولانا امین احسن اصلاحی	۵
۳۔ مگر یہ سوچ تو لو (نظم)	نسیم صدیقی	۱۳
۴۔ مطالعے کی میز پر		
تحریکی اور غیر تحریکی مزاج	قائد انقلاب سید ابوالاعلیٰ مودودی	۷
اسلام ــ ایک تحریک	ڈاکٹر علی شریعتی مرحوم	۸
عزیز من سے تخاطب	نسیم صدیقی	۱۰
۵۔ ڈرو خدا سے ڈرو (نظم)	علامہ جمیل مظہری مرحوم	۱۲
۶۔ دیکھی سنی باتیں	راشد حامدی	۳۰
۷۔ حقیقت تصوف	حسن البنا شہید، ترجمانی حافظ نعیم الدین اصلاحی	۱۴
۸۔ حالات حاضرہ اور مسلمانوں کی ذمہ داری۔	محمد قاسم ذکی	۲۳
۹۔ غزلیں و نظمیں	عامر عثمانی، ماہر القادری، نسیم صدیقی، دانش فلاحی، راشد حامدی، شفیق طاہری	۳۱
۱۰۔ جامعہ کے لیل و نہار	حافظ نعیم الدین اصلاحی	۳۲
۱۱۔ اعتذار	ادارہ۔	۴
پریس ریلیز	مرکز جماعت اسلامی ہند۔	۳۶
دعا اور اس کی حقیقت	صباح الدین ملک ندوی	۲۷

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب آپ کا چندہ ختم۔ براہ کرم ۲۰/- روپیہ بھیج کر مشکور فرمائیں

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

نور محمد فلاحی ماہنامہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

یوپی ۲۷۶۱۲۱

شاہد پریس ٹانڈہ

مالک انجمن طلبہ قدیم

پرنٹر پبلشر چیف ایڈیٹر نور محمد فلاحی مقام اشاعت جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

رسوائیوں کا تاج محل

دانش فلاحی

دیکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف ۔ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

گذشتہ شمارہ "انقلابی شخصیات نمبر" آپ کی کوتاہیوں، غفلت شعاریوں اور غیر ذمہ دارانہ انداز کار کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے۔ اس نے ہمیں مایوس کیا، ہماری تمناؤں کا خون کیا، عقیدتوں کا محل مسمار کیا اور خوش امیدیوں کا چمن تاراج ہو گیا۔۔۔ میرے عزیز دوست نے نہایت مایوسی کے ساتھ کہا۔

برادر عزیز یہ احساس ہمیں بھی ہے کہ جو ہدیہ ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ خرابیوں اور رسوائیوں کا "تاج محل" ہے۔ ہم سمجھ رہے ہیں کہ کن تیوریوں سے اس کا استقبال ہو رہا ہے۔ "ایسا ہی رسالہ نکالنا ہے تو نہ نکالا جائے" "اس سے بہتر تھا کہ نہ نکلتا" "تم لوگوں نے جامعہ کو بھی بدنام کیا" "دیندار کا انجام یہی ہوتا ہے" "بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا" "دور سے خوش نما لگتے ہیں" "بڑی لائق داد محنت" سے نکالا گیا ہے" "واہ کیا نفیس کتابت ہے اور طباعت تو ہرن کی آنکھوں کی طرح سیاہ اور نایاب ہے" "اعتراضات کا جواب دیتے دیتے ناک میں دم آ گیا" "شوق چرایا ہے پرچہ نکالنے کا" غرض بھانت بھانت کی باتیں ہیں، طرح طرح کے آوازے، نئی نویلی پھبتیاں، تشنہ صفت جملے، طنزیہ مسکراہٹیں، اترتے ہوئے الفاظ اور نہ جانے کیا کیا ہے ۔۔۔ مگر عزیز من ذرا آؤ ایک لمحہ ٹھہر کر سوچ تو لیں کہ ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔؟

"میری خواہش ہے کہ بہت بڑا دانشور بن جاؤں" مگر ظاہر ہے دل میں یہ نیک خواہش بسا لینے سے کچھ نہ ہوگا، تکمیل خواہش کا دار و مدار میرے اپنے رویے، محنت اور مطالعہ پر ہے۔ اگر میرے اندر محنت، لگن اور جد و جہد نہیں ہے تو یہ مقدس آرزو اپنے خول ہی میں دم توڑ دے گی۔

نیک آرزو پالنا بری شے ہے نہ قابل مذمت، لیکن صرف آرزوؤں کی جنت میں رہنا اور عمل کچھ نہ کرنا بہرکیف کوئی لائق تعریف فعل نہیں ہے۔

ہماری پہلی بڑی کمزوری یہ ہے کہ خوشکن منصوبے بنانے اور دلوں میں نیک آرزوئیں پالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ بڑے سے بڑا کام شروع کرنا ہماری سب سے بڑی تمنا ہے لیکن ایثار و عمل سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ ؎

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کا ذرا سا شایانِ شان نہیں ہوا تو مایوسیوں کی آگ میں جل جانا ہم اپنا فرض تصور کرتے ہیں۔

ہماری دوسری بڑی کمزوری یہ ہے کہ خود کرنے سے زیادہ دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں، یا مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا، یہ قابلِ مذمت احساس اور مرض ہماری رگ رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ کاش ہر کام کے لیے خود ہمتی کا جذبہ ہماری زندگی کی سب سے قیمتی سچائی ہوتا!!

ہماری تیسری بڑی خامی یہ ہے کہ ایثار، لگن، اور قربانی جیسے پاکیزہ جذبات سے ذرا دور ہی دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ قربانی کے بغیر بھی کہیں کوئی کام ہوا ہے۔ مجھے بتائیے کہ بنا خون پسینہ بہائے بھی کوئی بڑا کام انجام پاتا ہے۔ پھر اگر ہمیں مناسب کام کرنے کی توفیق نہیں ہوتی تو ہم سرائی کی بدبختی، سعادت کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ ع

نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

چوتھی بڑی خامی ہماری یہ ہے کہ ہم یہ زیادہ دیکھتے ہیں کہ دوسروں کے فرائض کیا ہیں، یا ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ یہ کام تو اس کے کرنے کا ہے۔ ہم میں سے کم ہی یہ سوچنے کی زحمت کرتے ہیں کہ میری اپنی ذمہ داری کیا ہے۔ "ڈوبنے والے کی فریاد کا یہ جواب دینا کہ تجھے بچانا میری نہیں، فلاں شخص کی ذمہ داری ہے کاش وہ ہوتا تو تمہیں بچا لیتا ـــ ایک قابلِ مذمت بخیلی ہے۔ اپنا فرض نبھانا اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنا ہی، اقدام اور ترقی اور زندگی کی روشن علامتیں ہیں۔

یوں تو بہت سی کوتاہیاں ہیں لیکن یہ چار بنیادی خامیاں ہیں جو اگر پہلے مرحلے میں دور کر لی جائیں تو دوسری بہت سی کمیوں کی خود بخود دوری ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی مستقل اور بہتر انتظام نہیں ہو جاتا، عزم کیجیے کہ یہ کام خود کرنا ہے اور بحسن و خوبی انجام دینا ہے۔ پھر دیکھیے کہ یہی بے رنگ کلیاں چمن بن جائیں گی۔ اور اسی طرح جان پیدا کر

کام کی لگن اور خدا سے دعا	خوبیِ کار کا نسخہ ہے
احتساب و مخلصانہ تنقید	خامیوں سے بچنے کا طریقہ ہے
قربانیِ عمل	ہر بڑے کام کا تقاضا ہے
عشق اور خلوص (یعنی مقصد سے والہانہ لگاؤ)	راہِ وفا کا توشہ ہے
ذوقِ عمل اور راستی کے ساتھ	ساتھی بھی، وسائل بھی، رہنما بھی ہے
مایوسی	دینِ اسلام میں کفر ہے
پھولوں سی نازک مزاجی	شکستِ زندگی کی علامت ہے
بے عملی	تمام برائیوں کی جڑ ہے
یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا	نفاق کی طرح خطرناک ہے
بس دوسروں پہ تنقید	اپنی کوتاہیوں کا کھلا اعتراف ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جو اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر ہم انہیں اپنی زندگیوں میں رچا بسا لیں تو یہ قافلہ آگے بڑھنا شروع کر دے اور ہم منزل سے ہمکنار ہوں۔ جو پودا ہم آپ نے مل کر لگایا ہے، اسے ہمارے خونِ جگر کی ضرورت ہے اور خونِ جگر کے بغیر کوئی کام مکمل نہیں ہوتا۔ خدا کرے یہ کلی پھول بنے اور ہر نفس چمن کے لیے جاں نواز بن جائے۔

مولانا امین احسن اصلاحی

قرآن کا مطالعہ

"اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ — ابراہیم — کی ملت کو تمہارے لئے پسند فرمایا۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلم ہے، تاکہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس کی گواہی دو۔ اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہی تمہارا مرجع ہے اور کیا ہی خوب مرجع اور کیا ہی خوب مددگار ہے — سورۂ حج آیات ۷۷–۷۸"

۷۷ — اوپر ہم نے اشارہ کیا کہ اس منصبِ امامت کے تقاضے بیان ہو رہے ہیں جس کی اس سورہ میں بشارت دی گئی ہے۔ یہ منصب ایک عظیم سرفرازی بھی ہے اور ایک عظیم ذمہ داری بھی۔ اس وجہ سے سب سے پہلے رکوع و سجود کا حکم ہوا۔ رکوع و سجود نماز کی تعبیر ہے۔ لیکن ہم تدبر ۲۱ کے تحت اشارہ کر چکے ہیں کہ ان لفظوں سے جب نماز کی تعبیر کی جاتی ہے تو اس سے صرف فرض نماز ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ یہ نماز کے اندر شغف و انہماک کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اور خاص طور پر ان سے تہجد کی نمازیں مراد ہوتی ہیں جن کا اہتمام عظیم ذمہ داریوں کا اہل بننے کے لئے ضروری ہے۔ یہ موقع جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا سرفرازی اور ذمہ داری دونوں کا ہے۔ اس وجہ سے شکر گزاری کے پہلو سے بھی نماز کی ہدایت ہوئی اور آنے والی ذمہ داری کا اہل بننے کے پہلو سے بھی۔ یہاں اسی سورہ کی آیت ۴۱ پر بھی نظر ڈال لیجئے جس میں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ حرم کی تولیت کے لوازم کیا ہیں، اور ان سے ان کا رب اس منصب پر سرفراز کرنے کے بعد کیا توقع رکھتا ہے۔

وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ (اور اپنے رب کی بندگی کرو) یہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہے اور عبادت، جیسا کہ ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں، اطاعت کے مضمون پر بھی مشتمل ہے۔ یعنی زندگی کے سارے گوشوں میں خدا ہی کی بندگی اور اسی کی اطاعت کرو۔

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (اور بھلائی کا کام کرو) یہ اس سے بھی زیادہ عام ہے یعنی مزید نیکیاں اور بھلائیاں بھی کرو۔ یہ ان نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف اشارہ ہے جن کا درجہ اگرچہ فرائض و واجبات کا نہیں ہے لیکن وہ فضائل و مکارم میں داخل ہیں۔ اور زندگی کے سنوارنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (تاکہ تم فلاح پاؤ) یعنی ان کاموں کا اہتمام کرو تو اس سے اس تمکن فی الارض کی صلاحیت بھی تمہارے اندر ابھرے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اور آخرت کی بازی جیتنے کی اہلیت بھی تم میں پیدا ہو گی —

۷۸ وجاهدوا فی اللہ حق جہادہ ۔

اور یہ اخلاقی و روحانی تیاری کے ساتھ ساتھ پورے تن من دھن کے ساتھ عملی جدوجہد کی ہدایت ہوئی۔ جہاد سے مراد یہاں قتال نہیں ہے وہ مشروط بشرائط و حالات ہے۔ اس کا ذکر آیات ۳۹۔۴۱ میں گزر چکا ہے یہاں اس سے مراد ہر وہ جدوجہد ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے بندے کے امکان میں ہو۔

فی اللہ میں مضاف محذوف ہے یعنی فی سبیل اللہ۔ اور حق جہادہ سے مقصود یہ تنبیہ ہے کہ یہ جدوجہد نیم دلی اور کمزوری کے ساتھ مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے جان کی بازی لگا دی جائے۔

هو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج

یعنی جو خدا تم سے اس جہاد کا مطالبہ کر رہا ہے وہی ہے جس نے اپنے دین کامل کی عظیم امانت کا حامل بنانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے ـــ انتخاب کیا ہے ـــ یعنی دوسروں کو خواہ قریش ہوں یا یہود معزول کر کے انتخاب کیا ہے تو اس انتخاب کی لاج رکھو۔ اور دنیا کی امامت کے اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورے عزم و جزم کے ساتھ سنبھالو۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج ۔ یعنی اس دین میں تمہارے اوپر اس طرح کی قیدیں اور پابندیاں نہیں جیسی کہ یہود کے دین میں تھیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے اس حضرت کو اس قسم کی پابندیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چند یہ بار ہے تو عظیم لیکن ایسا نہیں ہے کہ تم اسکو اٹھا نہ سکو۔

ملۃ ابیکم ابرٰھیم ۔ یعنی یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے تمہارے لئے باپ کی ملت سے زیادہ اولیٰ اور کونسی ملت مطلوب و محبوب ہو سکتی ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں اصل خطاب بنی اسمٰعیل سے ہے جو نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے بلکہ ان کو ان کی اولاد ہونے پر بڑا فخر و ناز بھی تھا۔ ملۃ سے پہلے اتبعوا (اور پیروی کرو) یا اسکے ہم معنی کوئی فعل بھی محذوف مان سکتے ہیں۔ اور اخصکم کسی ایسے فعل پر منصوب بھی مان سکتے ہیں جو موقع سے مناسبت رکھنے والا ہو۔ جیسے مائدہ کی آیت ورضیت لکم الاسلام دینا کو پیش نظر رکھ کر تفصیل دی

ہے اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا ہے۔

هو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی هٰذا ۔ یہ اس دین کے ملت ابراہیم ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں جنھوں نے تمہارا نام اس سے پہلے مسلم رکھا اور پھر وہی نام تمہارے لئے اس دین میں بھی اختیار کیا گیا۔ بعض لوگوں نے ھو کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو بقرہ میں یوں وارد ہے۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (۱۲۹) اے ہمارے رب تو ہم دونوں کو مسلم بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت مسلمہ بنا) مقصود اس نام اور اس دعا کی طرف اشارہ کرنے سے مسلمانوں کی ہمت افزائی ہے کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی اس دعا کے مظہر ہو۔ تو تم اس تاریخ کو برابر یاد رکھو۔ اس سے یہ غلط فہمی کسی کو نہ ہو کہ اسلام اور مسلم کا لفظ سب سے اول حضرت ابراہیمؑ ہی نے استعمال فرمایا۔ اسلام تو تمام کائنات کی فطرت ہے

(آل عمران ۸۳) اور تمام انبیاء کا دین ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت سے ایک امت کے پیدا ہونے کی دعا فرمائی تھی اور اس کا نام انھوں نے پہلے ہی سے امت مسلمہ رکھا تھا چنانچہ جب اس امت کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسی نام سے اس امت کو موسوم فرمایا۔ لیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونوا شهداء علیکم وعلی الناس (تاکہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس کی گواہی دو۔) یہی مضمون بقرہ آیت ۱۴۳ میں بایں الفاظ گزر چکا ہے، وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا جو وسط شاہراہ پر قائم ہے تاکہ تم لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دینے والے ہو اور رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے) یہ اس انتخاب کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ نے تمہارا انتخاب سب کو معزول کر کے اس لئے فرمایا ہے کہ جس طرح اللہ کا رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اسی طرح اب تم قیامت تک خلق پر اللہ کے دین کی گواہی دینے والے ہو۔ یہی تمہارے وجود کا

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

ادارہ

اعتذار

"انقلابی شخصیات نمبر" کے تعلق سے ادارے میں جو باتیں سپرد قلم کی گئی ہیں ان کا تخاطب خاص طور سے اپنے ان بھائیوں سے ہے جو شریک کار ہیں یا ادارے اور رسالے کی حیات و موت کے معاملے میں سرپرستانہ مقام رکھتے ہیں لیکن ایک عام معذرت ہمیں اپنے معاون قارئین و شائقین، بہی خواہوں اور قدردانوں سے بھی کرنی ہے۔ رسالے کے آغاز زندگی اور ابتدائے سفر ہی سے ہم معذرت کرتے آرہے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس "بے حیائی" پر خود ہی شرم آنے لگی ہے حالانکہ کوتاہیوں کے ساتھ کتنی ہی سچی مجبوریاں ہیں جو ہمیں اس مقام بے حیائی تک لے آئی ہیں اس وقت جب کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں ہم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ رسالے کا معیار کیا ہوگا بہرحال ہماری سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ جلد از جلد کسی مستقل ایڈیٹر کا انتظام کرلیں تاکہ رسالہ باقاعدگی کے ساتھ وقت پر نکل سکے اور اس کے بعد جو دوسرے مسائل رہ جاتے ہیں تو ان شاء اللہ آپ کے نیک مشوروں اور عملی تعاون کی مدد سے وہ بھی حل ہوتے رہیں گے۔ خصوصاً سب سے بڑا مسئلہ مالیات کا ہے۔ ہم اپنے بہی خواہوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ کم از کم اتنی یہ ذمہ داری محسوس کریں کہ اس معاملے میں اپنے جواں فکر و جواں قلم جوانوں کو (جو آپ سے بڑی تمنائیں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور جن سے آپ کی آرزو بھی وابستہ ہے اگرچہ سر دست خون تمنا ہو رہا ہے) مایوسی و ناامیدی کی گرداب میں پھنسنے سے بچالیں گے۔ خدا سے توقع ہے کہ وہ آپ کو اجر بھرپور عطا عنایت کرے گا۔

اس کام کیلئے ضروری ہے کہ آپ خصوصی تعاون کیساتھ ممکنہ حد تک حیات نو کے خریدار بنائیں اور حصول اشتہارات پر خصوصی توجہ مرکوز کریں۔ ——— گزشتہ شمارہ کافی مایوس کن ہے اور اس کے بعد آپ سے یہ اپیل نمک پر زخم کے مانند لگتی ہے لیکن جس طرح ہم اس سعی میں ہیں کہ ایک نئے عزم کے ساتھ دوبارہ آغاز سفر کریں۔ اسی طرح آپ بھی مایوس نہ ہوں اور ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

قوموں، اداروں، تحریکوں اور اصلاحی و تعمیری کام کرنے والوں کی زندگیوں میں یہ مرحلے بھی آتے ہیں جن سے سر دست ہم دوچار ہیں۔ ان کٹھن مقاموں سے حکمت و دانائی اور عزم و حوصلے کے ساتھ گزر جانا ہی زندگی ہے۔ راستے کی کٹھنایاں بسا اوقات اصلاح و تعمیر کے علمبرداروں کے حوصلے پست کرنے شروع کر دیتی ہیں مگر تاریخ میں خصوصاً ملت اسلامیہ کی تاریخ میں ایسا بارہا ہے ہوا ہے کہ عوام الناس میں اپنے رہنماؤں اور تعمیر و اصلاح کے علمبرداروں کے حوصلے بڑھائے ہیں اور انہیں مجبور کیا ہے کہ لیلائے مقصود کیلئے دشت نوردی جاری رکھیں۔ میرے ناقص عقل و شعور کے مطابق یہ وہ موقع ہے جب آپ کو اپنا یہ عظیم کردار ادا کرنا چاہئے۔

گزشتہ شمارہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے اتنا گھٹیا ہے کہ پڑھا بھی نہیں جاتا۔ مضامین بہرحال افادیت سے پر، ضرورت کی تکمیل اور قابل مطالعہ ہیں، ان شاء اللہ رسالہ جوں ہی اپنے قدموں پر کھڑا ہوگا اور حلقۂ اشاعت و مطالعہ کو وسعت ملے گی ہم یہ تمام مضامین دوبارہ "فرداً فرداً" شائع کریں گے تاکہ یہ خامی دور ہو جائے۔

قائدِ انقلاب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مطالعے کی میز پر

تحریکی اور غیر تحریکی مزاج

ایک آدمی جو اپنی ذات کی حد تک ایک فلسفۂ زندگی اور تصورِ حیات رکھتا ہو اگر وہ اس کو دنیا میں پھیلانے، دوسرے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے اور اس کے لیے سعی و جہد کرنے کا کوئی جذبہ نہ رکھتا ہو تو یہ گویا غیر تحریکی مزاج ہے۔ یہ ایسا آدمی ہے جس نے اپنا ایک راستہ خود اپنی ذات کیلئے تجویز کر لیا ہے اور وہ اس پر مخلصانہ طور پر کوشش بھی کرتا ہے۔ مگر اپنی ذات کی حد تک۔ اس مزاج کا حامل انسان کسی تحریک کو نہیں چلا سکتا۔ تحریکی مزاج اس کے برعکس یہ ہے کہ میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں دنیا کو بھی اسی حق کو قبول کرنے کی دعوت دوں اور کوشش کروں کہ اس حق کے خلاف جو چیزیں ہیں ان کا زور ٹوٹے اور حق اور اس کے مقاصد میں فروغ پائے۔ جب کوئی شخص عزم کا کام شروع کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اندر ایک تحریکی سیرت پیدا ہو گئی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر تحریکی مزاج نہیں ہوتا۔ وہ تحریک کا جو کام بھی کرتے ہیں بالعموم بگاڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کام کو وہ جانتے نہیں ہیں۔ ان کے اخلاق و عادات ان کی طبیعت اس کام کے ٹھیک ٹھیک مناسب نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ غلط طریقے سے کام کرتے ہیں اور بالآخر جس مقصد کے لئے وہ کام کرنے اٹھتے ہیں اسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ تحریکی مزاج کیا ہے؟ تحریکی مزاج سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی جو حق کو قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور باطل کے خلاف جدوجہد کر رہا ہے تو اس کی سیرت و عادات و اطوار ایسے ہونے چاہئیں جو اس مقصد کے لئے سازگار بن سکیں۔ مثلاً ایک آدمی درشت خلق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ کسی تحریک کا کام کرے گا تو تحریک کو نقصان پہنچائے گا۔ اسکے مقابلے میں ایک آدمی میں ایسا اخلاق ہے کہ جن لوگوں سے اسکو سابقہ پیش آتا ہے وہ اسکی طرف کھنچتے ہیں۔ انکے دلوں میں اسکے لئے قدر و عزت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایک جاذب شخصیت رکھتا ہے۔ یہی ایک صحیح قسم کا تحریکی مزاج ہے۔ اسکے برخلاف ایک شخص ہے جو کسی کی تنقید برداشت نہیں کر سکتا۔ کسی کا اعتراض نہیں سہہ سکتا۔ ذرا کوئی بات مزاج کے خلاف ہوئی تو بگڑ پڑا تو وہ تحریک کیلئے موزوں نہیں ہے۔ تحریکی جذبہ تو اس میں ہو سکتا ہے مگر تحریکی مزاج نہیں ہو سکتا۔ اسکے برعکس ایک شخص زبان کا شیریں ہے۔ متحمل ہے۔ اسکے اندر ضبط کا مادہ بھی ہے۔ بہت سی چیزیں جو مزاج کے خلاف ہیں برداشت کر جاتا ہے۔ بہت سی چیزیں جو اسے سخت ناگوار ہوتی ہیں۔ اس پر تحمل سے کام لیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس شخص میں تحریکی مزاج ہے۔ وہ کام بگاڑنے والا نہیں، کام کو بنانے والے اوصاف اسکے اندر موجود ہیں۔

تحریکی مزاج پیدا کرنے کے ذرائع: اب رہا یہ سوال کہ مزاج کیسے پیدا ہو تو میرے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اسکے لیے بہت کافی اور مددگار ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ ہم وہی کام کرنے اٹھے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ اس وجہ سے ہمارے لئے اگر کوئی بہترین نمونہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آپؐ نے کس طرح اس حق کو پھیلایا۔ کیا مزاج تھا جس کی وجہ سے شدید مخالفت کے باوجود دنیا آخر کھنچ گئی اور آپ

ڈاکٹر علی شریعتی رحؒ

اسلام ایک تحریک

اسلام ہر دوسرے عقیدے کی طرح جب تک جامد صورتی ڈھانچے میں مقید ہے اور جب تک فرد کی حیات ہی سے وہ بے تعلق ہے اور جب تک اس کا دائرہ فرد اور خدا کے درمیان رشتے اور فرد و آخرت ہی اور دنیا واسطے تک محدود ہے وہ کمزور ہے اور دنیا کے سامنے ایک حرکت پیدا کرنے سے قاصر ہے ایسے اسلام کا کوئی دشمن نہیں ہے، اس کے لئے میدان بالکل خالی ہے۔ کسی کو اس کا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں۔ اس اسلام کی مثال اس ملک جیسی ہے جس کے پاس تیل نہیں ہے اور جس کے معدن میں سونا نہیں ہے اور وہ ہیرے بھی نہیں ہے اس لئے وہ استعمار کے شر سے بھی محفوظ ہے ایسا اسلام جو اپنے اندر نہ رنگ رکھتا ہو اور نہ کوئی خاصیت، اسے کسی دشمن سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ دنیا میں اس کے لئے ہر طرف امن ہے چین ہے اور آرام ہے، ایسے اسلام کا ہر شخص خواہ وہ کسی قماش کا ہو احترام ہی کرے گا کیونکہ اس نوع کا اسلام ایک ایسی قوت ہے جو اپنے اطراف میں موجود کسی بھی طاقت کو نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ وہ نوے فیصد اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے، اسے عوام کو سرگرم بنانے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اسلام ایک ایسا نقش ہے جو ہر طاقت کے لئے بے سود بیکار ہو ہر صورت میں اور ہر آئیڈیالوجی کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے ـــــ لیکن جب اسلام جمود کے ڈھانچے اور قرون وسطیٰ کی طور طریقوں سے باہر نکل آتا ہے، صرف فرد کے ساتھ رابطے اور محض اخلاقی، روحانی، شخصی اور باطنی دائرے سے باہر قدم رکھتا ہے تو ایک موج بن جاتا ہے۔ ایک دعوت اور ایک پیغام بن کر سامنے آتا ہے۔ انسانی کردار کو ڈھالنے اور نئی نسلوں کو منصوب کرنے والی قوت بن کر ابھرتا ہے اور وقت کے میدان میں شور کر کے گھوڑا اچھالتا ہے۔ یہی وہ اسلام ہے جو خطرناک سمجھا جاتا ہے۔

آج اسلام اپنے محراب، اپنے مدرسے اور اپنے حجرے سے نکل کر بیچ بازار میں پہونچ گیا ہے۔ وقت کے افکار و تصورات میں اس نے قدم رکھے ہیں۔ وہ میدان کارزار میں کود پڑا ہے اور اگلی صفوں تک پہونچ گیا ہے وہ اب بڑی اچھی طرح اپنے دوست کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے دشمن کو بھی اسے اپنے مقام کا پورا شعور ہے وہ واضح طور پر اپنی سمت کا تعین کر سکا اور جب وہ اپنی سمت کا تعین کرتا ہے تو اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ اس کا میدان کس جانب ہونا چاہئے۔ وہ دنیا کے عین وسط میں کھڑا ہے اس کی ایک جانب شمال ہے دوسری جانب جنوب۔ وہ دنیا کے ہر سمت سے وابستہ ہے۔ وہ گونگا ہے اور نہ بہرا اور نہ اپنے اطراف میں ہونے والے واقعات سے بے تعلق......

آج اسلام ایک تحریک بن چکا ہے۔ وہ گوشہ نشین نہیں ہے، وہ قائم و بیدار ہے۔ جس قدر اسے سے مواقع میسر آتے ہیں جس قدر اسے بلندی حاصل ہوتی ہے جس قدر وہ دور جدید کے مسائل کا سامنا کرتا ہے جس قدر وہ بیدار ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر طاقتور زندہ و تر و تازہ کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس قدر وہ مسائل کا سامنا کرتا ہے جس قدر وہ خطرات میں گھرتا ہے اور جس قدر اس پر آفات کے پہاڑ چاروں طرف سے ٹوٹتے ہیں اسی قدر اس میں اپنی حفاظت اور خطرات کے مقابلے میں صحیح رخ اختیار کرنے، موقع و محل کو سمجھنے کی صلاحیت اور حکمت پیدا

ہوتی چلی جاتی ہے ـــــ اسلام آج کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اس دور میں بھی ہمارے پاس کردار کے ایسے نمونے موجود ہیں جن کی مثالیں اسلام کے دورِ اول کے سوا نہیں ملتیں۔ آج اسلام محض ایک اعتقادی مذہب نہیں ہے وہ ایک متحرک تعمیری و تخلیقی قوت کی حیثیت سے پھر ایک بار سامنے آیا ہے۔ اسلام ایک ایسا اجتماعی نظریہ بن کر پھر ابھرا ہے جو پوری طرح انقلابی ہے اور انسانی کردار اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کے اصول، نظام اور روابط میں انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حالات کی یہ ایک بے مثال موافقت ہے۔ ایسی موافقت کہیں صدیوں کے بعد میسر آتی ہے۔ شاید تیسری چوتھی اور پانچویں صدی میں جو اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کا دور ہے ہمیں ایسی موافقت میسر نہیں آسکی تھی۔ بلاشبہ اس دور میں علم و فن اور تمدن و تہذیب اوجِ کمال پر پہونچ گئے تھے لیکن اس دور میں اسلام کی آئیڈیالوجی اور روح گھٹ کر رہ گئی تھی۔

آج تو یہ ایک تمدن ہے نہ سیاسی طاقت اور نہ علم و فن کا دنیاوی عروج۔ اب یہ ایک تحریک ہے جو لوگوں کے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے اٹھ رہی ہے، روح اور فکر کا انقلاب ہے جس نے ایک جذبۂ "زندگی" کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ یہی وہ بات ہے جو ہر چیز کو منقلب کرکے رکھ دیتی ہے۔ ایک طرف عزیمت کا بازار گرم کرتی ہے تو دوسری طرف ہر گوشے میں تعمیر نو کی بنیادیں رکھتی ہے۔ یہی وہ تحریک ہے جس کے دشمن ہر جگہ پیدا ہوگئے ہیں۔ یہی وہ انقلاب ہے جسے ہر جگہ [illegible] خطرہ [illegible] سمجھا جا رہا ہے ـــ آج اسلام ایک تنگ و دشوار راستے سے گزر رہا ہے۔ اس پر اپنے اور غیروں دونوں کی طرف سے گولہ باری کی جارہی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کی یہ شکل ٹکراؤ اور تصادم پیدا کرتی ہے ان کے مفادات سے، ان کی دنیوی خواہشات سے، ان کے مذہبوں اور ان کے نظریات سے، ان کے مذہب اور عقائد سے جو نجاتِ انسانی کے مدعی ہیں ـــ بالفاظِ دیگر اسلام نے اپنے کئی دشمن اور رقیب پیدا کرلیے ہیں۔

ماہر عثمانی مرحوم نے درج ذیل اشعار جماعت اسلامی کے پانچویں کل ہند اجتماع، جو دہلی میں منعقد ہوا تھا، سے متاثر ہو کر کہتے تھے ـــ

رہروِ راہِ حقیقت کو منزل کے نشاں ابھرے ہیں
مے کشو رقص کرو میخانہ نظر آیا ہے
کوہساروں کی بلندی پہ جو ابھرا تھا کبھی
پھر وہی جلوۂ جانانہ نظر آیا ہے
جس سے چھلکی تھی کبھی وحدتِ آدم کی شراب
بعد مدت کے وہ پیمانہ نظر آیا ہے
چھوڑ کر شہرِ ہوس عشق کے ویرانے میں
کوئی وحشی، کوئی دیوانہ نظر آیا ہے
وہ مرا حسنِ نظر ہے کہ تمنا کا فریب
فقر با سطوتِ شاہانہ نظر آیا ہے
اک ذرا دورِ ظلمت سے جو پردہ سرکا
نگہِ شوق کو کیا کیا نہ نظر آیا ہے
دعوتِ حق تیری تجلی کے نثار
اپنے اندر کا صنم خانہ نظر آیا ہے

اعلان

برادر اطہر ریحان فلاحی کے ملک سے باہر چلے جانے کی وجہ سے، شوریٰ نے برادر افتخار احمد فلاحی کو ان کی جگہ شوریٰ کا ممبر نامزد کیا ہے۔ ممبرانِ انجمن اسے نوٹ فرمالیں۔

عزیز من سے تخاطب

نعیم صدیقی (پاکستان)

عزیز من! تم اگر خدا سے باندھے ہوئے میثاق پر قائم ہو تو چاہیے تھا کہ وقت نکال کر گھر سے دعوتِ حق کا علم اٹھا کر نکل کھڑے ہوتے محلے کے ایک ایک دروازے پر دستک دیتے، خاندان کے ایک ایک فرد سے خاص خاص تعلقات کے دائروں میں پہنچتے، دیہات کو روانہ ہو جاتے، ہسپتالوں اور جیلوں کے مصیبت زدگان تک پہنچتے مسجدوں کے حلقہ ہائے درس اور دائرہ ہائے ذکر و فکر میں شامل ہوتے، ادب کی محفلوں میں بیٹھتے، چوپالوں میں جا جا کر خوب زندگی تلاش کرتے، درسگاہوں میں پہنچ کر طلبہ کی نوخیز روحوں تک خدا و رسول کی تعلیم کی خوشبو پہنچاتے۔ مہاجرین افغانستان کے لئے چندہ جمع کرنے پر روز کچھ وقت صرف کرتے، لوگوں کو افغانستان میں روسی جارحیت کا حال بتاتے اور انہیں اشتراکیت کے انسانیت کش تلخیے اور اس کی خونخوار تاریخ کے اوراق دکھاتے، روس والوں نے وسط ایشیا کی جن ریاستوں کو پہلے کئی کئی سال تک مسلمانوں کی مزاحمت کو کچلنے کے بعد ہتھیا لیا ہے، ان کا دکھڑا بیان کرتے، جبری الحاد کی بھاری چٹان کے نیچے جس طرح اسلامی عقیدوں اور روایتوں کی راکھ دبی کو دبایا گیا، اس کی داستان عام کرتے، تم لوگوں میں اسلامی جذبۂ جہاد کو بیدار کرنے کے لئے راستے ہموار کرتے پھرتے، اور انہیں تو گھر پہ درسِ قرآن کا مختصر سا حلقہ شروع کر دیتے، بچوں کو قرآن ناظرہ پڑھانے اور نماز سکھانے کا انتظام کرتے، عورتوں کے لئے اسلامی آداب و اخلاق کی تربیت کا معیاری نہیں تو غیر رسمی مرکز اہلِ محلہ کے تعاون سے کھلوا لیتے، اپنی بیٹھک پر ان پڑھ عوام کے لئے دفتری کاموں سے متعلق درخواستیں لکھ کر دینے کا انتظام کرتے، محلے والوں سے رابطہ بڑھا کر ایک فلاحی کمیٹی قائم کر لیتے اور اس کے زیرِ انتظام نوجوانوں کو لے کر چلتے، ہر ایک بار یہ کر کے محلے میں اور خصوصاً محلے کی مسجد میں صفائی کی مہم چلاتے، مریضوں کو ہسپتالوں میں اور طلبہ کو درسگاہوں میں داخلہ دلوانے کے لئے سعی کرتے، ان کاموں کے ساتھ ساتھ دینی دعوت کا سلسلہ از خود جاری رہتا، ان راستوں پر چلتے ہوئے تمہارے ساتھی اٹھ کھڑے ہوتے اور ایک محدود سی سماجی اجتماعیت کا حلقہ بن جاتا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے ہزاروں حلقے ملک کے شہروں اور دیہات میں ابھر آتے اور ان کی دعوتی سرگرمی کی زد سے کوئی شہری محفوظ نہ رہ سکتا۔

مگر عزیزم! تم اس بات کے عادی ہو گئے ہو کہ لکھے لکھائے پمفلٹ آ جائیں تو ادھر ادھر چند لوگوں کو تھما دو، یا پوسٹر تیار ہو کر از خود سامنے آ جائیں تو انہیں دیواروں پر چسپاں کرا دو، یا ماحول کے جائزے اور کارکردگی کی کوئی رپورٹ دفتر یا گھر میں بیٹھ کر خوش اسلوبی سے مرتب کر دکھاؤ، کوئی مامور شدہ ذمہ دار آ جائے تو اس کے ساتھ باتیں ہو جائیں، اور کسی محفل آرائی کی ضرورت ہو تو اس کا بندوبست کر لیا جائے۔

سچا داعی تو وہ ہوتا ہے جس کے اپنے اندر پمفلٹ بھی موجود رہتے ہیں، اور پوسٹر بھی، وہ اپنے آپ کو ڈیوٹی پر مامور اور ذمہ دار سمجھتا

ہے جو ہر روز اپنی رپورٹ اپنے ضمیر کے واسطے سے خدا تک پہنچاتا ہے۔ اور وہ اپنی عقل خود آراستہ کر لیتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں وہ کام کرنے کی راہیں خود ایجاد کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خود ری والی کرتا ہے اور از خود حرکت کرتا ہے۔ اصول اور مقاصد متعین ہیں، دین کا مطالبات انداز کار بھی واضح ہے۔ زیادہ سے زیادہ افراد کو حق کا شعور دلا رہا ہے۔ دینی لٹریچر کا ایک ذخیرہ بصیرت کی روشنی پانے کیلئے موجود ہے۔ ہر قسم کے حالات میں کام کرنے کے مختلف تجربوں کا سرمایہ ساتھ ہے۔ مخالف نظریات اور اداروں اور تحریکوں سے تعارف حاصل ہے۔ فتنوں کا اندازہ ہے تو پھر ایک سچے داعی کو اگر اسکیمو میں بھی اتار دیا جائے تو وہ کام کرنے کا راستہ نکال لے گا۔

ضرورت باہر سے کسی چیز کی اتنی نہیں ہے جتنی اندرون کو زندہ و منور کرنے کی ہے۔

رفیق عزیز! کہیں ایسا تو نہیں کہ خود تمہاری شخصیت کے شاخساروں میں اکارگی اور سہل انگاری کے آشیانے بنا لیے ہوں خود تمہارے اندر جذبہ بیتاب موجود نہ ہو خود تمہارا ایمان تمہیں پوری طرح روشنی نہ دیتا ہو خود تمہارا ضمیر انہیں خوردہ ہو، خود تم نے زندگی میں بہت سے نمایاں قسم کے تضاد پال لیے ہوں اور ہر قسم کے حالات اور عوام کے ساتھ تم نے سمجھوتے کر لیے ہوں؟

تمہارا حال اگر خدانخواستہ اس بیل کا سا ہو جس کے جسم کے ساتھ بھاری پتھر باندھ رکھے ہوں اور ہاتھوں اور پیروں کو زنجیروں سے جکڑ رکھا ہو تو پھر کوئی "مودودی" کوئی "سید قطب" اور کوئی تحقیق یا کوئی نظام جماعت تمہیں ڈوبنے سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن ستم ظریفی ہوگی اگر تم نیچے ہی نیچے جاتے ہوئے اپنی تہ دیگی عدم فعالی کا الزام دوسروں پر رکھو۔

قومیں اور تحریکیں اور جماعتیں وہی کامیاب ہوتی ہیں جن کا ہر فرد سب سے پہلے اپنی جگہ یہ سوچتا ہے کہ میرا فرض کیا ہے، اور آیا میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں؟ مجھے انقلاب فردا کے لئے اپنا جو حصہ ادا کرنا ہے وہ دیانت داری سے ادا کر رہا ہوں؟ جہاں فرد فرد کے اندر ذاتی ذمہ داری کا یہ احساس موجود ہوتا ہے، وہاں بہ حیثیت

نہیں پڑتی کہ آدمی کتنا ہوں کا بوجھ اٹھا اٹھا کر دوسروں پر ڈالے اور اسی تلاش میں رہے کہ کس کس پر کتنا کتنا یہ بوجھ ڈالا جا سکتا ہے براہ کرم اپنا پورا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کی کوشش کیجئے۔ ●●

صفحہ ۵ کا بقیہ

مقصد اور تمہارے اصطفاء و اجتباء کی غایت ہے اس شہادت کے مقتضیات پر ہم بقرہ ۱۴۳ کے تحت گفتگو کر چکے ہیں۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

اوپر والی آیت میں نماز ہی سے بات کا آغاز ہوا تھا اور اس کا پہلو ہم واضح کر چکے ہیں۔ اب یہ نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کی ہدایت ہی پر سورہ ختم ہو رہی ہے۔ یہاں نماز و زکوٰۃ کے اس اہتمام کی ہدایت شہادت کا ناس کی اس ذمہ داری کے پہلو سے ہے جو امت پر ڈالی گئی ہے ابھی وہ مسئلوں پر جیسا کہ تفسیر سورہ بقرہ فصل ۱۷ میں ہم واضح کر چکے ہیں دین کی عمارت قائم ہے اس وجہ سے جب تک ان کا اہتمام باقی رہے گا، دین باقی رہے گا۔ اگر ان کا اہتمام ختم ہو جائیگا تو دین بھی منہدم ہو جائیگا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ان مشکلات کا مداوا بتایا گیا ہے جو شہادت حق کی راہ میں پیش آئیں گی فرمایا کہ پورے عزم و جزم کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہو اپنے رب کی یاد سے اس کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اسی کی مدد و نصرت پر پورا بھروسہ رکھو، وہ بہترین مرجع اور بہترین مددگار ہے!!

صفحہ ۸ کا بقیہ

کے بدترین مخالفوں کو بھی بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے اور بعد میں انہیں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ عشق اور قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ دوسری چیز جو دیکار ہو سکتی ہے وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے واقف ہونے کا نہیں ہے۔ جن دوسرے صحیفوں میں ان کی سیرتیں موجود ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

ڈرو خدا سے ڈرو

علامہ جمیل مظہری مرحوم

نہ اس طرح مجھے رسوا کرو خدا کیلئے
لگائی آگ کو ٹھنڈا کرو خدا کیلئے
رعایتِ دلِ عذرا کرو خدا کیلئے
وفا کو آگ لگاؤ، ڈرو خدا سے ڈرو مجھے نہ یاد کرو

جھنجھوڑ کر نہ جگاؤ کہ سو گیا ہے یہ دل
کئی برس سے عزا خانۂ وفا ہے یہ دل
خدا گواہ کسی کی محل سرا ہے یہ دل
پرائے گھر میں نہ آؤ، ڈرو خدا سے ڈرو مجھے نہ یاد کرو

ہے فرض کا یہ تقاضا جلا کروں تا عمر
حیاتِ رفتہ کا ماتم کیا کروں تا عمر
کسی کے نام کا کلمہ پڑھا کروں تا عمر
نیا سبق نہ پڑھاؤ، ڈرو خدا سے ڈرو مجھے نہ یاد کرو

میں دل میں بیج محبت کا بو نہیں سکتی
حیا کا نام ڈبو دوں، ڈبو نہیں سکتی
کسی طرح بھی تمہاری میں ہو نہیں سکتی
میں صدقے، جی نہ کڑھاؤ، ڈرو خدا سے ڈرو مجھے نہ یاد کرو

میں ہاتھ جوڑ رہی ہوں تمہیں خدا کی قسم
شکستہ حالیِ عذرائے بے وفا کی قسم
جو جل رہی ہو بتدریج اس چتا کی قسم
ہوس کی آگ بجھاؤ، ڈرو خدا سے ڈرو مجھے نہ یاد کرو

مگر یہ سوچ تو لو

نعیم صدیقی

اگر میں چاہوں تو ظلم و ستم کی منڈی سے
ضمیر بیچ کے دولت کما کے لے آؤں

دماغ پاس ہے اس کو کرائے پر دے کر
میں ایک جنت راحت سجا کے لے آؤں

اگر میں چاہوں تو ہر جنبش قلم کے طفیل
طلا و سیم کی نہریں بہا کے لے آؤں

مگر یہ سوچ تو لو ———

مرے ضمیر کی جب روح کر گئی پرواز
تو ایک نعش کو بن ٹھن کے کیا دکھاؤ گی؟

مری خودی جو گنوا دے حیات کے انداز
تو کیسے پیکر لحمی سے دل لگاؤ گی؟

تم اک ذلیل سے سوداگر ہوس کے لئے
پھر احترام کا جذبہ کہاں سے لاؤ گی؟

وہ حق فروش جو گر جائے اپنی آنکھوں سے
تم اپنی آنکھوں میں کیسے اسے بٹھاؤ گی

حقیقتِ تصوف

تصوف سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ تعلیمات نبوی اور احکام خداوندی کی مخلصانہ پیروی کا نام ہے؟ یا یہ ذریعہ ہے انسان کو دنیا سے بے تعلق اور دنیا سے بے نیاز، فکر آخرت میں خوار و خراب معروف سے محروم کر دینے کا؟ یا یہ انسان کے ضمیر اور روح کو ہر قسم کی اندرونی خرابیوں اور روحانی گندگیوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتا ہے کہ اس کا قلب اور اس کی روح انوار الٰہی کا منبع اور سرچشمہ بن جاتی ہے؟ یا یہ سب کچھ عارف اور صوفی کو یاد خدا میں اس قدر فنا کر دینے کا کہ ذات خداوندی کے علاوہ دنیا میں کسی بھی چیز کے وجود و بقا کا وہ تصور نہ کر سکے۔

اور تصوف کے جتنے معانی و مفاہیم بیان کئے گئے ان میں کس حد تک کسی حیثیت سے باہمی ربط اور معنوی اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لئے تصوف کی تعریف میں یہ سارے ہی مطالب شامل ہیں؟

اکابرین صوفیاء اور علماء ربانیین نے تصوف کی تعریف و توضیح میں ان سارے معانی کو شامل فرمایا ہے چنانچہ بزم صوفیاء کی معروف اور نامور شخصیت امام قاسم جنید بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "التصوف ان یمیتک الحق عنک ویحییک به" تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں خواہشات نفس کی پیروی سے نکال کر اپنی آغوش محبت میں لے آئے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: تصوف یہ ہے کہ تم بلاشرکت غیرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاؤ"

ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی تعریف میں رقمطراز ہیں۔" "الصوفی منقطع عن الخلق ومتصل بالحق" صوفی دنیا سے کٹ کر خدا سے جڑ جاتا ہے۔ بعض صوفیائے کرام تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

(۱) تصوف اعلیٰ اور عمدہ اخلاق کے اپنانے، گھٹیا اور رذیل قسم کے اخلاق کو چھوڑنے کا نام ہے۔

(۲) تصوف ان اخلاق کریمانہ اور اوصاف حمیدہ کو کہتے ہیں جو کسی بھی مبارک اور سعید دور میں مہذب، شائستہ اور شریف انسانوں کے سہارے پروان چڑھتے ہیں۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الصوفی من صفا من الکدر وامتلاء من الفکر وانقطع الی اللہ من البشر واستوی عندہ الذہب والمدر" صوفی وہ ہے جس کا سینہ ساری آلائشوں سے پاک، ذکر و فکر سے لبریز اور مخلوق سے کٹ کر باری تعالیٰ کی طرف یکسو ہو اور اس کے نزدیک دنیوی مال و متاع اور خس و خاشاک دونوں برابر ہوں۔ شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے "منظومۃ المباحث" کی شرح میں جو مسائل تصوف پر مشتمل ہے، لکھتے ہیں "لوگوں کی تین قسمیں ہیں: عالم، عابد اور عارف۔ ان میں سے ہر ایک نے وراثت نبوی میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پایا ہے۔ مخلص اور اطاعت شعار عالم نبوت کے علمی خزانہ کا وارث ہوتا ہے۔ اور عابد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال جیسے نماز روزہ اور مجاہدہ وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور عارف علم و عمل دونوں کا پیکر اور قول و عمل دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس کا اندرون علم کے ساتھ زہد و ورع، صبر و تحمل، حلم و بردباری، امید و رجا اور محبت و شفقت جیسی خوبیوں سے بھی آراستہ ہوتا ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اخلاق کے جلی عنوانات ہیں۔

یہ ہیں تصوف کے وہ اغراض و مقاصد اور معانی و مفاہیم جنھیں گروہ صوفیا کے نامور شخصیتوں نے بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصوف نے بہترین سیرت و کردار کی تعمیر و ترقی اور اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ کی نشوونما کے لئے اہم پارٹ ادا کیا ہے۔

اس کے برعکس بعض نام نہاد صوفیوں نے تصوف کے حقیقی مقصد اور بنیادی غرض و غایت کو مسخ کر ڈالا ہے ان کے نزدیک تصوف کا اطلاق ذوق، وجدان اور ان نتائج کشف پر ہوتا ہے جن کا صدور بعض سالکین طریقت کی طرف سے ہوتا ہے، یہ علم انھیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا اظہار کرنا یا ضبط تحریر میں لانا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اسے شرعی علم درجہ دینا غلط، اسے دلیل راہ بنانا بے بنیاد ہے کیونکہ وہ ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ جو کسی طرح بھی الفاظ کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ اسی حقیقت کی طرف بعض لوگوں نے اس طرح اشارہ کیا ہے "علمنا هذا اشارة فاذا صار عبارة خفي"
ہم نے اسے اشاروں ہی سے سیکھا ہے کیونکہ عبارت کا جامہ پہنتے ہی فنا کا یقین ہے۔ صاحب منظومۃ المباحث کہتے ہیں

وہ ضنین بالکتب لا تجوز	بل هو کنوز السر مکنونه
ایاک ان تطمع ان تجوز	عن در تنا و شرها اجوزه

اس کا کتابوں میں لکھنا جائز نہیں وہ ایک خزانہ ہے جو عدم اظہار میں پوشیدہ ہے۔

اسے کسی کتاب یا کسی شعر یا کسی قصیدے میں منضبط کرنے سے پرہیز کرو۔ اسی کو "علم المکاشفۃ" کہتے ہیں

یہ صرف انفرادی اور شخصی علم ہے جب بھی کسی صاحب کشف سے کوئی ان کی ایسی ظاہر ہوگی تو پہلے دیکھا جائے گا کہ وہ اصول اسلام سے میل کھاتی ہے کہ نہیں۔ اگر میل کھاتی ہے تو قبول کی جائیگی ورنہ اس پر حدیں جاری کی جائیگی۔

بعض مرتبہ تصوف کو ایک تیسرے معنی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا دارومدار خالص عقلی اور فلسفیانہ امور پر ہے۔ اصول اسلام اور اسلامی دین سے ان کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں۔ مثلاً حلول، وحدۃ الوجود وغیرہ جیسے مسائل جن کا سلف صالحین کے مبارک دور میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور نہ ہی کسی نامور صوفی اور کسی متقی عارف اور کسی معروف شیخ طریقت نے ان کی طرف اشارہ ہی کیا ہے یہ تو اس وقت کی پیداوار ہیں جب کہ عجمیوں کے اختلاط سے علوم و فنون کا دائرہ وسیع ہوا اور مختلف زبان کی فلسفیانہ کتابیں عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس خفیہ میں الجھ کر عقیدہ اسلام روح دین اور مزاج شریعت سے دور ہوتے چلے گئے۔ دستور خداوندی اور تعلیمات نبوی سے بے نیاز ہو کر خود ساختہ مسائل تصوف اور فلسفیانہ موشگافیوں کی روشنی میں انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔

یہ ہے وہ تصوف جس کی ہم مخالفت کرتے ہیں اور جس سے بچنے کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں۔

اہم اعلانات

★ جن خریداروں کو پرچہ نہیں مل رہا ہے براہ کرم وہ پہلی فرصت میں ادارہ کو مطلع کریں کہ وہ کب اور کہاں خریدار بنے تھے اور پرچہ کب سے نہیں مل رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنا مکمل صحیح پتہ بھی ارسال فرمائیں۔

★ براہ کرم رقم ارسال کرتے وقت منی آرڈر کوپن پر اپنا مکمل پتہ جلی حروف میں صاف صاف تحریر فرمائیں۔ کیونکہ بسا اوقات پتہ غلط ہونے کی وجہ سے پرچے نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ اور ہمیں دو ایسے منی آرڈر موصول ہوتے ہیں جن پر بھیجنے والے کا پتہ ہے نہ خریداری نمبر اب ایسی صورت میں ہم کیا کریں یہ آپ ہی بتائیں۔ ان میں سے ایک بستی کا منی آرڈر [illegible] ہے اور ایک عبد الرحیم [illegible] کا۔ یہ حضرات اپنا مکمل پتہ لکھکر روانہ فرمائیں۔

★ خط و کتابت کرتے وقت حوالہ نمبر ضرور دیں۔

★ پرچہ نہ ملنے پر ادارہ کو فوراً مطلع کریں۔

صباح الدین ملک فلاحی

دعا اور اس کی حقیقت

محترم بھائیو اور عزیز ساتھیو! موضوع کا تقاضہ ہے کہ ہم پہلے دعا کے معنی و مفہوم اسکی حقیقت و اہمیت اور قبولیت دعا کی مختلف صورتوں پر ایک نظر ڈال لیں پھر یہ دیکھیں کہ کردار سازی میں دعاؤں کی اہمیت اور اس کا مقام کیا ہے۔

حضرات! دعا کے معنی ہیں پکارنے، بلانے اور مانگنے کے۔ دراصل اللہ سے مدد میں طلب کرنا، ضرورت کے وقت اس کے آگے ہاتھ پھیلانا اور ہر مشکل کے وقت اس کا سہارا پکڑنا ہی دعا ہے۔ چنانچہ ہر بندۂ مومن جو اپنی ناتوانی و عجز کے احساس اور خدا کے عزیز و حکیم ہونے کے ساتھ خدا سے دعا مانگتا ہے اسکی جائز اور معقول دعائیں تین صورتوں میں قبول ہوتی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ اسے فوراً ہی قبول کر لیتا ہے اور اس کی برکتوں کا ظہور آدمی اسی دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے یا پھر وہ اسے آخرت کے لئے رکھ چھوڑتا ہے۔ یہی ابدی ٹھکانے کے لئے جو ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے، یا بندۂ مومن کی اس دعا کے بدلے اللہ تعالیٰ کسی آتی ہوئی مصیبت اور آفت کو ٹال دیتا ہے اور اسکی پریشانیوں کیلئے اسے سپر اور ڈھال بنا دیتا ہے۔

اگر آپ تھوڑی گہرائی میں جائیں تو آپ اس بات سے انکار نہ کر سکیں گے کہ دعائیں انسان کے کردار کا آئینہ ہوتی ہیں کیونکہ ان دعاؤں میں اسکے خیالات و معتقدات اسکی شخصیت اور عظمت نمایاں طور پر جھلکتی ہے۔ یہ دعائیں دراصل وہ آئینہ ہیں جو اسکے ظاہری خد و خال کو نہیں بلکہ اندرون کو سامنے لاکر رکھ دیتا ہے یہ دعائیں اسکے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں اور ایک شخص کے اندر جو انسان موجود ہے اسکی پوری تصویر سامنے لے آتی ہے قرآن میں حضرت ابراہیم کی دعائیں اسکا بہترین نمونہ ہیں اور آپ کی ماثورہ دعائیں تو اس سلسلے میں بے مثل ہیں۔

بھائیو! آپ اس بات سے بھی انکار نہ کر سکیں گے کہ دعائیں کردار سازی کرتی ہیں۔ آپ کا کردار بناتی ہیں۔ ان کا آپ کا اخلاق پر خاصا اثر پڑتا ہے۔ آپ کی پسند اور ناپسند کے معیار بدلتے ہیں اور آپ کے عقائد اور تصورات ایک خاص رخ اختیار کرتے ہیں پھر یہ دعائیں اللہ سے آپ کے تعلق کو بڑھاتی ہیں اور اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بعض مواقع پر تو یہی دعائیں مومن کا واحد سہارا ہوتی ہیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں کا خزانہ ہوتی ہیں اسی لئے ہر مسلمان کو دعاؤں کی تاکید کی جاتی ہے اور اسی لئے قرآن میں اور خود حضور نے دعاؤں کی تلقین کی ہے۔

آگے بڑھ کر جب ہم دعا کی حقیقت کا سراغ لگاتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان فطرۃً جب اپنی مجبوری و بے کسی محسوس کرتا ہے اور اپنے اوپر ایک ایسی

ذات کو پاتا ہے جو اس کا حامی و ناصر بن سکے تو وہ اپنی بیچارگی کا گلہ اس کے سامنے کرتا ہے تاکہ وہ ہستی اس پر ترس کھا کر اور اسے رحمت و نعمت سے نوازے۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ لیکن دعائیں کرنے اور سمجھنے کے بھی کچھ آداب و شرائط ہیں۔ فادعوہ مخلصین له الدین اور انما یتقبل اللہ من المتقین۔

یہ سب ٹھیک لیکن میرے محترم بھائیو! کبھی آپ نے اس سوال پر بھی غور کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زندگی دعاؤں سے معمور ہے کیا آپ کی دعائیں اس لئے تھیں کہ اللہ سے تعلق پیدا ہو یا وہ دعائیں خود تعلق الہی کا نتیجہ تھیں؟ بالفاظ دیگر ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ کی دعاؤں کا مقصد کیا تھا اور ان کا فائدہ کیا تھا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ دعاؤں کا مقصود خدا کی مدد و توفیق کی طلب اور استقامت اور مغفرت کی خواہش تھی، البتہ دعا مانگنے سے ایک ضمنی فائدہ یہ تھا کہ اس سے بندہ اور خدا کے درمیان تعلق کچھ اور بڑھ جاتا ہے۔

آپ کی دعائیں جہاں آپ کے کردار کی عظمت کو سامنے لاتی ہیں، جہاں آپ کے پیغام کو بتاتی ہیں اور مومنانہ زندگی کی تصویر کشی کرتی ہیں وہیں اس حقیقت کو واضح طور سے سامنے لاتی ہیں کہ آپ کی دعائیں — صبح و شام کی دعائیں، شب و روز کی دعائیں، سفر و حضر کی دعائیں گھر اور باہر کی دعائیں، کھانے اور پینے کی دعائیں اور چلنے پھرنے کی دعائیں — یہ ساری دعائیں یاد کی ہوئی دعائیں نہ تھیں نہ ہی آپ کسی اہتمام کے ساتھ تیاری کر کے اور سوچ سوچ کر دعائیں کرتے تھے بلکہ آپ کی زندگی پکار پکار کر یہ کہتی ہے کہ دعائیں کی نہیں جاتی تھیں بلکہ ہو جاتی تھیں، دعائیں الفاظ میں ڈھالی نہیں جاتی تھیں، ڈھل جاتی تھیں۔

تعلق باللہ، خشیت، تقویٰ، خوف خدا اور عبودیت کا وہ جذبہ تھا جو آپ کے دل میں طوفان کی طرح اٹھتا تھا۔ للہیت، محبت الہی اور بندگی کا شدید احساس تھا جو نہاں خانۂ دل کو الفاظ کا پیرایہ عطا کرتا تھا۔ یہی وہ جذبہ تھا جو ہر لحہ اور ہر آن شکر و سپاس اور دعاؤں میں ڈھل جاتا تھا۔

عزیز ساتھیو! اسی جذبے، اسی احساس اور اسی روح کے ساتھ جب دعائیں منہ سے نکلتی ہیں تو وہ اپنا اثر دکھاتی ہیں اور یہی دعائیں تعلق باللہ میں ترقی کا باعث بنتی ہیں اگر ان دعاؤں کے پیچھے یہ روح کارفرما نہ ہو تو ان دعاؤں کی قبولیت تو در کنار، اس سے تعلق باللہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا کیا ہم اور آپ آج دعائیں نہیں مانگتے ہیں لیکن کیا یہ دعائیں ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہیں؟ ہم یہ دعائیں لاکھ کیا کریں یہ کسی فائدے کے نہیں ہو سکتے۔

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ہمارے سامنے اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم دعائیں نہیں کرتے یا آنحضور ﷺ کی دعائیں یاد کر کے انہیں پڑھتے نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری دعاؤں میں روح کہاں سے پیدا ہو، ہماری بے جان دل میں جان کہاں سے آئے اور کیسے وہ جذبۂ عبودیت اور احساس بندگی حاصل ہو جو ہمارے دل کو ہر وقت خدا کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دے جو ہر گھڑی اور ہر ساعت ہمارے دل و دماغ کو شکر و سپاس کے جذبات سے معمور رکھے جن دعاؤں میں یہ شعور اور احساس ناپید ہوں وہ محض چند کھوکھلے الفاظ اور چند بول ہیں جن کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ خدا کے نزدیک وہی سخن معتبر ہے جس میں خون جگر شامل ہو اور جو اس کے دل کے سچے جذبات کا آئینہ دار ہوتا۔

اگر آپ کی دعاؤں کی کیفیت یہ ہو جائے کہ وہ
تھم رکے ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

تب ہی آپ کی دعائیں وہ سماں پیدا کریں گی جس کا ذکر قرآن و تاریخ میں بکھرا پڑا ہے۔ دوستو! دعاؤں کی اثر انگیزی کے حیرت انگیز واقعات قرآن و تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں۔

آدمؑ کی توبہ و انابت اور عاجزانہ دعائیں انہیں تقرب الٰہی سے نوازتی ہیں، نوحؑ کی دعا طوفان بپا کرتی ہے، یونسؑ کی دعا مچھلی کو ساحل پر لے آتی ہے اور خداوند قہار کو عجز و بے بسی کا نذرانہ پیش کرتی ہے، ابراہیمؑ کی دعائیں امت مسلمہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے پیکر میں عیاں ہوتی ہیں، حضرت زکریاؑ کی دعا یحییٰؑ کی شخصیت میں ڈھل جاتی ہیں، حضرت ایوبؑ کی دعا مرض و دوام کو راحت ابدی میں تبدیل کر دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی دعا بے مثل بادشاہت قائم کرتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی دعائیں شرح صدر اور وزیر امیر کا فریضہ سناتی اور فرعون کی تباہی اور غرقابی کا روپ دھار لیتی ہیں؛ حضرت ابراہیمؑ کی دعا آتش نمرود کو گل گلزار میں تبدیل کرتی اور کونی برداً و سلاماً کا معجزہ پیش کرتی ہیں حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

صحرائے عرب کے امیوں اور خانہ بدوشوں کی دعائیں نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے آتی ہیں

قل ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم

اور آنحضورؐ کی دعائیں کیا لاتی ہیں جبکہ ملک الجبال پہلے آ حاضر ہوتے ہیں اور عرض مدعا کے پہلے قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپؐ کی دعائیں کبھی عمر فاروقؓ کو سینہ سے لگا لیتی ہیں اور کبھی ابن ابی جہل کا سر جھکا جاتی ہے کبھی دلوں کو فتح کرتی ہیں اور کبھی قہر خداوندی بن کر قریش کے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک پر لٹا دیتی ہیں

یہ تو ان اللہ کے بندوں کی دعائیں تھیں جنہیں انبیاء و رسل کہا جاتا ہے۔ حضرات! صرف امت مسلمہ کے صلحا کی دعائیں دفتر کا آتی ہیں۔

دیکھو! حضرت آدمؑ کی دعا 'ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین'

حضرت نوحؑ کی دعا 'انی مغلوب فانتصر'

حضرت ابراہیمؑ کی دعا 'رب ھب لی من الصالحین'

حضرت موسیٰؑ کی دعا 'رب اشرح لی صدری'

حضرت یونسؑ کی دعا 'لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین'

حضرت سلیمانؑ کی دعا 'رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب'

اور رحمۃ للعالمین کی بدر و طائف کی مشہور دعائیں — یہ تمام دعائیں اپنے اندر وہ درد اور تاثیر رکھتی ہیں جو آسمان تک اٹھتی اور عرش الٰہی کو جا ہلاتی ہیں ان دعاؤں میں تڑپتا ہوا دل نظر آتا ہے، احساسات کا ایک دریا موجزن ہے، عجز و بے بسی کی مکمل تصویر ہیں، راضی برضائے رب ہونے کا جلوہ پیش آتی ہیں، اور اصل یہی ہی دعائیں خدا کی بارگاہ میں قبول اور مستجاب ہیں اور یہی دعائیں ہیں جو بندے اور خدا کو اس قدر قریب کر دیتی ہیں جتنی قربت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

میرے محترم بھائیو! ہماری دعائیں زبان دل بن جاتی ہیں یہ قرآنی اور ماثورہ دعائیں ہیں بلاشبہ زبان تو عطا کرتی ہیں لیکن وہ زبان دل نہیں دے سکتیں۔ ہمیں دعا کے آداب اور بیان مدعا کرنا تو سکھاتی ہیں لیکن وہ روح وہ احساس اور وہ جذبہ نہیں دے سکتیں جو مطلوب ہیں، ہم دن بھر دعاؤں کا ورد کریں لیکن وہ تعلق باللہ کو بڑھا نہیں سکتیں اور نہ بڑھاتی ہیں۔ یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعاؤں کو ہم وہ زبان کہاں سے عطا کریں جو بارگاہ ایزدی میں سمجھی جا سکیں، وہ

روح کہاں سے آئے جو دعا کو دعا بنا دے۔

برادرانِ من! الفاظ کے پیچھے شخصیت ہوا کرتی ہے۔ جیسی شخصیت ہوگی، الفاظ بھی اسی قدر جاندار ہوں گے، اسی کی روح اور اسی شخصیت کا جذبہ اس میں کارفرما ہوگا۔ بلاشبہ انسان کی نگاہیں الفاظ کے پیچھے نہیں دیکھ پاتیں لیکن وہ عالمِ غیب و شہادت ہستی الفاظ کے اندر دیکھتی ہے، اس کی نگاہیں الفاظ کے شیشے سے گزر کر دل اور شخصیت تک پہنچ جاتی ہیں۔ انبیاء کا دل، ان کی شخصیت اور ان کا کردار سارے جہاں میں سب سے پاکیزہ، ہمہ گیر اور بلند ہوتا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے منہ سے نکلے ہوئے چند بول وہ کام کر جاتے ہیں جو ہمیں محوِ حیرت کر دیتے ہیں۔

غرض دعائیں شخصیت چاہتی ہیں، دل چاہتی ہیں، کردار چاہتی ہیں۔ آج اصلاً اسی کی ضرورت ہے اس لئے ہمیں شخصیت کی تعمیر کرنی چاہئے، کردار بھی بنانا پڑے گا اور ایسا دل بنانا ہوگا جو احساسِ بندگی اور جذبۂ عبودیت سے معمور ہو۔

یہاں آکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے ہو جو ہماری زندگی کو دعاؤں سے معمور کر دے جو ہمارے دلوں تک شکر و سپاس کے جذبات سے بھر دے جو حمد و ثنا کے بیش بہا کلمات سے مالامال کر دے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ کہتا ہے کہ یہ چیز نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلام کا نظام کہتا ہے یہ شخصیت نماز سے بن سکتی ہے تاریخِ اسلام کہتی ہے کہ ایسے افراد اور کردار نمازیں تیار کرتی ہیں ہمارا تجربہ اور میرا دل کہتا ہے کہ نماز ہی وہ شئے ہے جو دعاؤں میں روح پیدا کرتی ہے اور ان میں جان ڈالتی ہے لیکن یہ نمازیں نہیں جو ہم پڑھتے ہیں، وہ نمازیں کچھ اور ہی قسم کی ہوتی ہیں۔ اس نماز کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے اور نمازی کا نماز کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

وہی نمازیں ہوتی ہیں جو ایسا صالح اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرتی ہیں جس میں انما المومنون اخوۃ کا منظر ہوتا ہے جس میں عبودیت اور سرافگندگی کی روح کارفرما ہوتی ہے۔

عزیز ساتھیو! تاریخ ہزارہا بادشاہوں کی خبر دیتی ہے، ہر طرح کے بادشاہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ لیکن کیا تاریخ بتاتی ہے کہ کسی شہنشاہ کی رعیت اس کی پرجا اس کے حضور پانچ بار سلامی دینے جاتے تھے، ہاں تو جتنا بڑا بادشاہ گذرا اس کی جلوہ نمائی میں اتنا ہی وقت گذرا اور اس کے دربار میں ساری رعیت جا بھی نہیں سکتی تھی لیکن عوام کو لایا جاتا انکی ہیبت رعب و دبدبہ انہیں ساکت و صامت بنا دیتا تھا۔ جلال کی وجہ سے کوئی آنکھ بادشاہ کو دیکھنے کی ہمت اپنے اندر نہ پاتی تھی وہ کچھ دیر کے لئے دنیا وما فیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے سو جب ان بادشاہوں کا یہ حال تھا تو اس شہنشاہِ حقیقی کے جاہ و جلال کا حال کیا ہوگا جس کی فرمانروائی ساری کائنات پر ہے، جسکے آگے دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔

بھائیو! حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہم ایسے عظیم و اعلیٰ شہنشاہ کے دربار میں سال اور ماہ میں نہیں بلکہ روزانہ پانچ پانچ بار جاتے ہیں لیکن ہم پر ذرا اثر نہیں ہوتا یقیناً ہمیں ایسی نمازیں بدلنی ہونگی اور نمازوں سے وہ عشق پیدا کرنا ہوگا جو ہمیں اس کے لئے تڑپاتا رہے، ہم اذان سننے کے لئے بے قرار اور بے تاب نظر آئیں اور جب حی علی الصلوٰۃ کی صدا فضا میں گونجے تو ہمارا قدم علی و کبیر کے دربار کی طرف بڑھتا چلا آئے۔ جب اللہ اکبر کی پکار بلند ہو تو ہمارا دل دھڑک جائے۔ وضو کریں تو یہ تصور دل میں رہے کہ یہ وضو دراصل درگاہِ ایزدی میں حاضری دینے کے آداب میں سے ہے۔ اس حاضری کا تصور کر کے آپ پر ہیبت طاری ہو جاتے اور پھر جب آپ مسجد میں قدم رکھیں تو آپ کو ایسا معلوم ہو کہ جیسے سنتری اور

سب امر ہر طرف کھڑے ہوں اور دربار میں حاضر ہونے والوں کو
ادب، احترام اور خاموشی کی تلقین کر رہے ہوں۔ آپ کے
قدموں کی چاپ تک نہ ابھرے، آپ کی خاموشی اس حد
تک پہنچ جائے۔ سانس کی آواز بھی نہ نکلے، آپ اس
دربار کے ہیبت و جلال سے اس قدر مرعوب ہوں کہ دنیا
اور دنیا کی ساری باتیں ذہن سے محو ہو جائیں، علی و کبیر
کا تصور آپ کی زبان پر ذکر و تسبیح کے الفاظ جاری کر
دے گا۔ اس دربار میں پہنچ کر کسی کو کچھ ہوش نہ رہ جائے
ہر شخص عجز و نیاز کا پیکر بن جائے، اسکی چشم تصور اس
اینٹ پتھر کے دربار کے اندر ایک طرف عزیز و حکیم ہستی
کا دربار دیکھے، قہار و جبار کی ذات اسے جلوہ افروز نظر
آئے، دوسری طرف رحمان و رحیم کی رحمتیں اسے بٹتی نظر
آئیں۔ قہر و جبر اور علی و کبیر کے خیالات اسے رعب و جلال
سے رعشہ بر اندام کر دیں اور سجدہ میں گرا دیں اور رحم
و رأفت اسکا دل بڑھا رہیں۔ جب وہ نماز کے لئے
کھڑا ہو تو وہ اپنے دل کی آنکھوں سے تجلی ذات کا مشاہدہ
کر رہا ہو، وہ سمجھے کہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہے۔ اسکی عظمت
و رحمت کا تصور کرے اور اس طرح کھڑا ہو جیسے کہ
حدیث کے الفاظ میں ان تعبد اللہ کانک
تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اس قدر
یکسو ہو جائیں، فان العبد یناجی ربہ کا
منظر پیش کرے۔ شکر و تعریف اور احساس بندگی
سے زبان و دل جھکے جاتے ہوں۔ اس کی کیفیت یہ ہو
کہ جب الحمد للہ کے فقرے ادا کرتے تو اس کے جذبات
تڑپ جائیں اور جب اھدنا الصراط المستقیم
پر پہنچے تو آنسو چھلک پڑے اور جب ولا الضالین
کے فقرے پر پہنچے تو ایک بار نہیں تین بار آمین
پکار اٹھے جب رکوع میں جاتے سبحان ربی
العظیم کی تکرار سے سر جھکاتے چلے جائیں سمع
اللہ لمن حمدہ کی بازگشت ربنا لک
الحمد ہو اور میرے محترم بھائیو جب وہ سجدے میں
جائے تو سجدۂ بندگی کی لذت اسے زمین سے سر
اٹھنے نہ دے اور زمین بھی جیسے اسے چھوڑتی نہ ہو اسے
ایسا محسوس ہو کہ اس کا سر اس کی جبین رب اعلیٰ
کے قدموں پر ہے اور اس کی حالت واسجد واقترب
کی صحیح تعبیر ہو۔ اس کی کیفیت یہ ہو کہ سبح اسم
ربک الاعلیٰ کا آسمانی حکم سنتے ہی اسکی روح سبحان
ربی الاعلیٰ کا نذرانہ پیش کرے، الیس اللہ
باحکم الحاکمین کی کیف پرور صدا آئے تو زبان بیساختہ
بلی وانا علی ذلک من الشاھدین کہہ کر اپنی پیاس بجھائے
فبای حدیث بعدہ یومنون کی آواز گونجے تو اس
سے صبر نہ ہو آمنا باللہ کہہ کر اپنی بندگی کا ثبوت پیش
کرے۔ فبای آلاء ربکما تکذبان کا الہامی نغمہ ابھرے
تو لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد
سے اس کا خیر مقدم کرے اور الیس ذلک بقادر علی
ان یحیی الموتی کا گریا دینے والا سوال آئے تو روح چیخ
اٹھے اور بلی بلی کی صدائیں اس کی عبودیت کا اعلان
کر دیں۔

بقیہ صفحہ ۳ کا

آئیے ہم سب مل کر دعا کریں کہ خداوند تعالیٰ ہم سب کو
اپنے دین کی خدمت کے واسطے، اس سلسلے
اور ادارے کو جاری رکھنے کے لئے عزم و حوصلہ اور
حکمت و دانائی عطا فرمائے۔ آمین۔

چند شعر

نعیم صدیقی

اک داغِ نہاں چمک رہا ہے — اک زخمِ جگر مہک رہا ہے
اک قافلۂ بہارِ فردا — صحرا میں کہیں بھٹک رہا ہے
پھر آنکھ کا بھر گیا کٹورا — پھر بادہ چھلک چھلک رہا ہے
چھوڑا تھا جو نقد وہ گلے میں — کیا جانے کیوں اٹک رہا ہے
پھولوں کی جہاں پہ بستیاں تھیں — کوندا سا ادھر لپک رہا ہے
اس خاک و آب میں بھی مقصد — موتی کی طرح دمک رہا ہے
تغییر کا منتظر مسلماں — امید کی راہ تک رہا ہے
اس پردۂ شب کے پیچھے دیکھو — پھر روئے سحر جھلک رہا ہے

دانش خلاقی

عمل

۱۸ مارچ ۸۱

ذہن پہ کاہلی کی یورش ہے
بند آنکھوں میں [illegible] چبھن کرب ہے
[illegible] ہوں خیال الاؤ کار
یوں ہی [illegible] کاری کا کام ہو [illegible] پر دن
لو تنقید [illegible] سب کچھ تو ہو
[illegible]
[illegible] کوئی [illegible] ہوں ہیں
[illegible] چاروں [illegible] ہوئے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible] صفحات کی
[illegible] دن کی
[illegible] ان میں [illegible] دن کی
[illegible] ان میں [illegible]
[illegible] ان میں [illegible]
[illegible] ان میں [illegible]
[illegible] ان میں [illegible] ہیں
[illegible] ان میں [illegible] ہو
آج [illegible] ہو
لیکن تم [illegible] توفیق
یعنی [illegible] نہ ہو
ایک دن [illegible] صاف کر دیتے
ہاتھ میں [illegible] صاف کر دیتے
اپنی ہستی کو بھی صاف [illegible]

روز تنقید آ کے کرتے ہو
ایک دن بھی نہ ہو سکا لیکن
زباں عمل سے کچھ کہتے
یعنی جھاڑو کو ہاتھ میں لیکر
اسکے کمرے کو صاف کرتے
میرے باطن نے آج یہ تنقید
میرے اپنے رویے پر کی ہے
آج میں مطمئن سا لگتا ہوں
آج میں آدمی سا لگتا ہوں

محمد قاسم ذکی متعلم جامعۃ الفلاح

ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داری

اس مختصر گفتگو میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے اندر مختلف الخیال طبقات کس ذہن سے سوچ رہے ہیں؟ ان کے کیا عزائم ہیں؟ ملک کی موجودہ صورت حال کیا ہے؟ اور اس کے اندر مسلمان کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

پس منظر اور پیش منظر: — ۱۹۴۷ء سے قبل جدوجہد آزادی کے دوران ہر فرد اس بات کی امید کئے بیٹھا تھا کہ اسے لسانی، مذہبی، سماجی بنیادی حقوق کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ مگر اب تک کے واقعات اور حالات ان آرزوؤں اور تمناؤں کی نفی کر رہے ہیں۔ جارحانہ فرقہ پرستی، برہمنی سامراجیت، لسانی تعصب اور بدکردار مجرم انتظامیہ نے ایک طرف اقلیت کے معاشی و سیاسی حقوق کا استحصال کیا، ان پر عرصہ حیات تنگ کیا اور مذہبی و لسانی تحفظات کی سوچوں کے دائرہ میں گھیرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اپنے ہی بھائیوں کے بنیادی حقوق پر ڈاکے ڈالے، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جرم قرار دیا، سماجی تقسیم کے ذریعہ کسی قسم کے بھی تعلقات ممنوع ٹھہرے، اور اپنے ہی جسم کے ناقابل تقسیم حصص کی خبر گیری سے محروم کیا، اور آج یہ ذہنیت وہ بدترین کردار ادا کر رہی ہے جو اخلاق و تہذیب اور انسانیت کے لئے باعث شرم ہے۔

ہمارے ملک کو بہت سی چیزوں پہ ناز ہے، ایک یہ کہ ہم صدیوں سے ضبط اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے آ رہے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہم ان روایات کو توڑنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ صحیح بھی ہے کہ ماضی کی ہیروں سے رشتہ توڑنے والے کی لائق ہے۔ ہریجن مخالف، اردو مخالف، مسلم مخالف، غیر آسامی مخالف، غیر بنگالی مخالف اور اسی قسم کی دوسری تحریکوں کی شکل میں درحقیقت اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کا سبب بنتے جا رہے ہیں۔ ایک برہمن دانشور کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

"آپ بھلا سوچئے کہ ہریجن جو اپنی پیدائش کی بنا پر ادنیٰ ہوتا ہے، ہمارے جیسے اعلیٰ لوگوں کے برابر کیسے آ سکتا ہے۔ صدیوں تک ہم نے اسے برداشت کیا ہے۔ اسی نے سماجی عدل کا مطالبہ کیا ہم خاموش رہے۔ اس نے انسانی مساوات کی دہائی دی، ہم برداشت کر گئے۔ وہ مذہبی امور میں ہماری برابری کے لئے آواز اٹھاتا رہا، ہم اس سوال کو بھی سہہ گئے لیکن حد ہوتی ہے برداشت کرنے کی۔

سوچنے کی بات ہے کہ ہریجنوں کو برابری کا درجہ کیوں دیا جائے؟ انسان کی تخلیق میں تو ہمارا کوئی دخل نہیں، ہریجن کو پیدا ہونے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے تھا کہ وہ ایسے خاندان میں کیوں پیدا ہو رہا ہے جو ہمارے خیال کے مطابق پلید ہے۔ اور اب ہماری حکومت بھی ہریجنوں کو مراعات دے کر ہماری روایات کو پامال کر رہی ہے۔ جب ان کی قسمت نے روایتوں نے کچھ کام سونپ دیا ہے تو حکومت کو کیا حق کہ وہ ان روایت کو توڑے اور ہریجنوں کو ہمارے سر پر مسلط کرے۔"

اس لہجہ پر چنداں حیرت کی ضرورت نہیں کیونکہ برہمن کی بہیمانہ فطرت میں یہ عنصر داخل ہے کہ اپنے کسی مقابل حریف کو برداشت نہ کرے اور یہ بات واضح ہے کہ جب وہ اپنے مذہب اور سماج کے ایک

جزو لاینفک کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے تو دوسری طرف وقت کے ساتھ ساتھ اس کا یہ سلوک ہندو تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار تھی جو ذہنیت پنپتی چلی جا رہی ہے اور اپنے علاوہ دوسروں کو کمتر سمجھنے والے خطرناک انداز اختیار کیا جا رہا ہے اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ سنسکرت کے حروف تہجی پڑھا کر بابری مسجد کے آثار کو مٹا کر دینے کے مجوزہ مطالبہ کا کبھی نہ کسی پہلو سے اظہار بھی ہوتا رہتا ہے اور یہ بات ملک کی تعمیر و ترقی اور تابناک مستقبل کے لئے بہت خطرناک ہے۔

ھریجن:۔ اس ذہنیت کے سلسل دباؤ اور ظلم و ستم کے تحت دلت طبقوں نے ہریجنوں میں اضطراب و بے چینی کی لہریں پیدا کر دی ہیں یہ سماجی برابری اور عزت نفس کے حصول کے لئے مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ حکومت اس کے ساتھ ناانصافی سے کام لے رہی ہے اور کبھی ان کو مراعات دیتی بھی ہے تو برہمن سامراج اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے گجرات کی حالیہ تحریک اس بات کا ثبوت ہے جہاں معصوم انسانی جانوں کا ناحق خون ہو رہا ہے اور یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ ان مراعات کو چیلنج کر کے ان کے خلاف تحریک چلانے کا واضح مطلب یہ ہے کہ دستور کے خلاف اعلان جنگ کیا جا رہا ہے ہریجن طبقہ اس نسل کشی اور جبر و تشدد کے خلاف بغاوت پر آمادہ نظر آ رہا ہے اور یہ بات بھی باعث حیرت نہیں ہے کہ وہ دیگر ہندوؤں سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر رہے ہیں جو ان کی بے چینی اضطراب و پریشانی کی مظہر ہے۔

مورتی نشٹ کی انت و ی، ٹی راج شیکھر شیٹی کی کتاب "ہریجن" اور ان کی مذہب تبدیلی کا اجراء کرتے ہوئے مسٹر بسوالنگپا سابق ریاستی وزیر کرناٹک نے کہا "ہریجنوں کا کوئی مذہب نہیں، صرف ہندوؤں کی نقل کرتے ہوئے اپنے من کی تسکین کی خاطر مندر جا رہے ہیں۔ اور اس میں ہندوؤں کی چند مورتیاں بٹھائی ہیں۔

یہ غلط ہے کہ ہریجن ہندو دھرم کا ایک جزو ہیں، اگر ہریجن ہندو دھرم کا ایک جزو ہوتے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

جب ہم ہندو نہیں ہیں تو ہندوؤں کا اس کا کوئی حق نہیں کہ ہم پر ظلم ڈھاتے رہیں کہ ہم ہندو دھرم کو نہ چھوڑ دیں اور ہریجنوں کو کسی اقدام سے روکنے کا کوئی حق نہیں۔ ہریجن مذہب بدل سکتے ہیں لیکن سیکڑوں برسوں کی عادت چھوڑنے کے لئے ایک لمبا عرصہ لگے گا، اس لئے میں اپنے دانشوروں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے لوگوں کو اس حقیقت سے آشنا کریں جو اس کے بعد مذہب بدل سکتے ہیں۔"

(ماخوذ: ہندوستانی ہریجنوں… سہ روزہ دعوت، ہریجن نمبر…)

ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت میں ہریجنوں کو تبدیلی مذہب کا خیال آیا تھی تو گاندھی جی نے بائیکاٹ کی دھمکی اور دوسرے دباؤ کے ذریعہ ان کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

بیوروکریسی:۔ اس کے تحت مختلف شعبہ جات جو بیوروکریسی سے تعلق رکھتے ہیں کے رویوں کے بارے میں روشنی ڈالی جائیگی ان حالات میں اس بات کی توقع کی جانی چاہئے تھی کہ بیوروکریسی کا ایک اہم عضو یعنی انتظامیہ مظلوموں کی دادرسی کرے گا، اور مذہبی جنون سے پاگل لوگوں کے پاگل پن سے مظلوم عوام کو نجات دلائے گا۔ مگر افسوس یہ توقع پوری نہیں ہوئی اور ہماری بیوروکریسی نے نہایت مجرمانہ رویہ اختیار کیا پولس کا رویہ یہ ہے کہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے ہوئے برہمن سامراجیت کے خونی ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیکر لوٹ کھسوٹ جبر و تشدد اور منتقمانہ کاروائیوں میں مصروف رہے۔ آج تمام اقلیتوں کے سامنے یہ چیلنج بن کر کھڑی ہو گئی ہے ایک طرف اس نے اقلیتوں کو معاشی و سیاسی طور سے تباہ کرنے کی خاطر تخریب پسند عناصر کے ساتھ تعاون کیا تو دوسری طرف اخلاقی بگاڑ اور فسادات کی آگ پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اس سلسلے میں صرف ماہ فروری کی چند رپورٹوں سے اس بات کا اندازہ ہو جائیگا کہ آخر یہ لوگ کس قسم کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں اور حکومت کیوں ان کی مجرمانہ کاروائیوں پر خاموش بے واسطہ ہو۔

تین ہریجن آدمیوں کو جن میں ایک عورت بھی شامل ہے پولس نے ستیاپور ریلیف میں ۱۰ فروری کو ایک پیڑ سے باندھ کر گولی مار کر ہلاک کر دیا یہ لوگ وہ حالات پر منتج ہو رہے ہیں کہ جس کی سر گرد تحریک اتواد کے نوٹس کے مطابق (لائین کیپرسیس اور فروری سنہ ۱۹۸۶ء)

۲۳ سالہ محمود ایک ہریجن اور دو بچوں کی ماں کو ۱۴ فروری کو مقامی صدر پولس اسٹیشن میں چوری کے شبہ میں لے جایا گیا، جہاں ایک ہیڈ کانسٹبل نے زنا بالجبر کیا، اس کے بعد دوسرے کے حوالہ کر گئے

اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔

پی۔ ٹی۔ آئی نے خبر دی ہے کہ گجرات کے وزیر داخلہ مسٹر ایم۔ ڈی پریودان نے اسمبلی میں بتایا کہ ۱۹۸۰ء کے درمیان ریاست میں ۱۵۸ فرقہ وارانہ واقعات ہوئے جن میں ۱۱۱ واقعات میں پولس کو بھی ملوث پایا گیا مگر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ صرف احمد آباد میں ۹۱ واقعات ہوئے۔ اسی طرح مدھیہ پردیش، تامل ناڈو، اور اترپردیش کی مختلف پولیس میں جوان ریاستوں کے وزارت داخلہ کی طرف سے دھان پر لٹیرے وہ میں پیش کی گئیں ان جیسے بے شمار واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ پھر پولس کا یہ رویہ ایمرجنسی کے دوران بدترین قسم کی شکل بن کر سامنے آیا جس سے روح چنگیز بھی کانپ اٹھی۔ اس کی تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ بات بھی پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ ملک میں جہاں کہیں فرقہ وارانہ بلکہ ہندو مسلم فساد ہوتا ہے یہ پولس ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، بلکہ مجرموں اور سازشیوں کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ الہ آباد کا پولس ایکشن تاریخ کا ایک ناقابل فراموش جز بن چکا ہے اور پھر حال ہی میں مرادآباد کے خونی فساد میں جس نے جلیانوالا باغ کانڈ کو پیچھے چھوڑ دیا پولس انتظامیہ نے جو بہیمانہ مجرمانہ کردار ادا کیا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ بہرحال ابھی حال ہی میں یو۔ پی کے ایم۔ ایل۔ سی عابدی الہ آبادی نے اپنے روزنامہ قومی جنگ کے اداریہ میں یہ انکشاف کیا ہے کہ عید کی صبح مرادآباد کی پولس نے ایک فساد کی گہری منظم سازش تیار کی تھی۔ ان کے کہنے کے مطابق اس کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں جن کو وہ اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کریں گے۔

یہ ایک مختصر سی تصویر ہے، اس طبقہ کی جو ملک کی انتظامیہ کے اندر ایک اہم رول ادا کرتا ہے اور بدقسمتی سے یہ بھی اخلاقی زوال اور انحطاط کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہ اتنا زیادہ بدنام ہو گیا ہے کہ عوام کو ڈاکوؤں سے زیادہ اب انہیں سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت ملک کے اندر جتنے جرائم ہو رہے ہیں ان کا پچاس فیصد سے زیادہ حصہ اسی محکمہ کی فہرست میں آتا ہے۔ منتخب اعلیٰ سطح پر اگر اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی ہے تو احتجاج کر کے ملک کے دوسرے لوگوں کے لئے پریشانیاں کھڑی کر دیتا ہے۔

سیاسی پارٹیاں :- ان پر زیادہ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی آپسی اکھاڑ پچھاڑ، ایک دوسرے پر الزامات اور کرسی کے گرد گھومنے والی سیاست کی وجہ سے عوام کے اندر ان کا وقار بالکل ختم ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اہم موقع پر ان کی اپیلیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ اور عوام کا اعتماد کھو دینے کی وجہ جہاں ایک طرف ان کی خود غرضی و مفاد پرستی ہے تو دوسری طرف کسی ٹھوس لائحہ عمل اور واضح نصب العین کا فقدان بھی ہے۔

لیڈران :- ان کی حیثیت، شخصیت اور کردار پر تبصرہ اور برے الفاظ کو مستعار لے کر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اندر ہندوستان کے مشہور انگریزی ماہنامہ لوڈ کا یہ تبصرہ کافی ہے کہ ہندوستان کے موجودہ لیڈران نامردوں کی طرح ہیں جو شک کر کے لنگوٹا اٹھا اٹھا کر اپنے مسخ شدہ اعضاء تناسل کی نمائش کرتے ہیں۔ اور بس اور اگر کسی طرح سے ان کو وزارت بھی حاصل ہو جاتی تو یہ اس کو بنگلہ، کوٹھی، اسپلائی، بینک بیلنس اور اسی قسم کی دوسری اشیاء تعیش کے حصول میں لگا دیتے ہیں۔ اور غریب عوام کی ہڈیوں، ان کی محرومیوں اور ناکامیوں کے اوپر اپنے عشرت کدے تعمیر کرتے ہیں، دوسری طرف یہ جرائم کی باقاعدہ سرپرستی بھی کرتے ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا کی ۲۲ فروری کی خبر کے مطابق — پھولن دیوی کے گروہ کے ایک ڈاکو کی ڈائری بہیمی کے قتل عام کے بعد ہاتھ لگی جس میں کچھ وزراء کے نام بحیثیت رابطہ کے درج تھے، اور ابھی کچھ دن ہوئے کابینہ کے ایک وزیر کا خط ایک ڈاکو کی لاش سے برآمد ہوا جس کو مغربی اترپردیش کے گاؤں میں مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس میں وزیر موصوف نے ڈاکو کے الکشن مہم میں حصہ لینے پر شکریہ ادا کیا تھا۔ مختصر یہ کہ ان لیڈروں کی سیاست میں جتنی خود غرضی، عوام دشمنی، مفاد پرستی اور دل بدلی پائی جاتی ہے اس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں۔

اس معاملہ میں حکومت بھی کم مجرم نہیں ہے۔ اس اکثریت اقلیت کے لئے دو الگ معیار قائم کر رکھے ہیں۔ اگر ایک جگہ پولس بربریت اور دہشت کے نئے ریکارڈ تیار کرتی ہے تو یہ مذمت کرنے سے انکار کیا جاتا ہے

کا اس سے وہ صورتحال بنی ہوئی پولیس اگر دوسرے فرقے کے کچھ لوگوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتی ہے تو پوری پارلیمنٹ پر سوگوار خاموشی چھا جاتی ہے۔ اور وزیر اعظم کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ نام نہاد انصاف کے اسی دوہرے معیار نے ملک کے اندر بے چینی، اضطراب کی لہروں کو ایک طوفان میں تبدیل کر دیا ہے اگر حکومت کی طرف سے اصل فرقہ وارانہ دہشت پسند مجرموں کو خاص نہ ہو تو ملک میں ہونے والے جرائم میں حیرت انگیز طور سے کمی آ جائے گی۔

عوام کے مسائل :- کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے ترجمان ہفت روزہ "حیات" کے قریبی شمارہ میں ہندوستان میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے میٹرک پاس ۲۹۸۰۳۰ ہائی سکنڈری ۱۸۷۶۹۷ گریجویٹ ۹۶۳۴۳۲۱ پوسٹ گریجویٹ ۱۲۲۶۹
کل ۱۸۹۹۳۴۹۲

بے روزگاری ہندوستان کے عوام کا بھیانک ترین مسئلہ ہے جس میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، کوئی بھی حکومت اس پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے، اور اسی مسئلہ کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، جو ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ اسی کی وجہ سے ایم اے، بی اے پاس طالب علم ڈاکو بننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ وہ تعمیری شعبہ حیات کے بجائے تخریبی مشغلہ اپنا رہے ہیں، نوجوان اندرون تخریبی قوتوں کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور مجبوراً بد عنوانی و چوری کی راہ اپنا رہے ہیں اور اس قسم کے دوسرے مسائل اسی مسئلے کے بطن سے پیدا ہو رہے ہیں۔

(ب) جانی تحفظ :- اس وقت عوام کا جانی تحفظ کا مسئلہ بھی نہایت اہم شکل اختیار کر گیا ہے، مثال کے طور پر ۱۸ فروری کو "ٹائمز آف انڈیا" کے نامہ نگار گرم راؤ نے ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ نکسلائٹوں نے اتر پردیش کے ایک گاؤں کو لوٹ لیا اور ۲۲ لوگوں کو دن دہاڑے قتل کر دیا۔ جب انسپکٹر جنرل آف پولیس نے اعلان کیا کہ اس کا قلع قمع کر کے چھوڑوں گا۔ تو ٹھیک جائے واردات کے صرف چھ کلو میٹر کے فاصلہ پر اس نے ایک گاؤں میں حملہ کر دیا۔ اور دو ٹھاکروں کو گرفتار کر لے گئی۔ ایک طرف تو یہ ہو رہا تھا کہ قریب ہی پولیس کی فوج والی بال کھیلنے میں مصروف تھی، دوسری طرف سماج دشمن عناصر کی نفرتوں کا لاوا ان کی انتہا پسندانہ کارروائیوں کی شکل میں پھوٹ پڑتا ہے۔ نتیجہ: جلتے ہوئے مکان، اٹھتی دکانیں۔ ویران سڑکیں۔ اور وحشت زدہ چہرے ان کارروائیوں کے ترجمان بن جاتے ہیں۔

عوام کے لئے اپنی جانوں کے تحفظ کا مسئلہ ہر طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، چاہے یہ مسائل علیحدگی پسندی کی تحریکات سے پیدا ہوئے ہوں، چاہے گجرات اور آسام کے انتہا پسندوں کی بد دماغی کا نتیجہ ہوں، یا ہریجن سماج کے حقوق پر دست درازیوں کا نتیجہ ہوں۔

(ج) ناخواندگی :- ہندوستان کی ۶۸ کروڑ ۳۷ لاکھ ۳۰ ہزار آبادی کے اندر صرف ۲۴ کروڑ افراد تعلیم یافتہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ملک کی تعمیر و تشکیل میں اپنا حصہ ادا کرنے سے قاصر ہیں، پھر بدقسمتی یہ بھی ہے کہ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ارباب دانش و بینش اس پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

(د) انصاف :- ایک مرتبہ کسی نے کہا تھا کہ برطانوی نظام عدل کے تحت انصاف حاصل کرنے کے لئے عمر نوح، صبر ایوب اور قارون کا خزانہ درکار ہے۔ یہ بات مزاحاً کہی گئی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک شخص انصاف لینے کی خاطر اپنی ٹوٹی ہوئی چپلوں کے ساتھ کچہری کے چکر لگا رہا ہے، مگر اس بات کی کوئی امید نہیں رہتی کہ اس کو اپنی زندگی کے اندر اپنے مقدمے کے فیصلے کے سننے کی توفیق ملے، پھر یہ بات بھی ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے وہ عدل و انصاف کے اداروں پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔

ظلم کی دھوپ سے آئینے پگھل جاتے ہیں، جھوٹ کی آنچ میں دستور بدل جاتے ہیں

(ہ) غربت :- یہ سب سے بڑی لعنت ہے، کرپشن، جہالت، بے روزگاری جیسے سنگین مسائل کے ساتھ غریبی بھی عوام کے لئے پریشان کن مسئلہ ہے۔ یہ تقدیر کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے۔ ایک طرف کسی کو زندگی کے تمام مادی وسائل و ذرائع حاصل ہیں، دوسری طرف فاقہ زدہ چہرے نظر آتے ہیں جن کو پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے روٹی کے سوکھے ٹکڑے بھی میسر نہیں، آج بھی ہزاروں لوگ آسمان کی کھلی چھت کے نیچے فٹ پاتھ پر سوتے ہیں اور کبھی کسی کی چلتی ہوئی کار ان کی موت پر دستخط کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ کروڑوں انسان ایسے ہیں جن کی زندگی کا انحصار

امیروں کے رحم و کرم پر ہے۔ امیر اور غریب کی خلیج برابر وسیع ہوتی چلی جارہی ہے، پانچ سالہ منصوبے امیروں کی کوٹھیوں کی چمک دمک کی نذر ہو جاتے ہیں۔ امیر امیر ہو رہا ہے، غریب غریب۔

یہ تمام چند سلگتے ہوئے مسائل جنھوں نے پورے ملک کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے، مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں نے ان عمومی مسائل پر سیر حاصل بحث نہیں کی ہے کیونکہ ایسے مسائل میں کم و بیش عام و خاص اس بارے میں بخوبی جانتا ہے، اب میں ایک ایسے مسئلہ کی طرف سے چلتا ہوں جو ہر طبقے کے ہر فرد کا مسئلہ ہے، اور وہ ہے اخلاقی اقدار، اخلاقی زوال، توڑ پھوڑ، تخریب کاری، کرپشن، بدعنوانی، مفاد پرستی، خودغرضی۔ چند ایسی چیزیں ہیں جو اس ملک کے لئے خصوصی تحفہ ہوکر رہ گئی ہیں۔ آئے دن اخباروں میں ڈاکہ زنی، چوری، عصمت دری اور خون، بلیک میلنگ اور قتل جیسے واقعات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں، پورا ملک بہت تیزی کے ساتھ اخلاقی زوال کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے، صرف کچھ خبروں کی رپورٹوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ملک تباہی و بربادی میں کس حد تک آگے جا چکا ہے، ہمارے ملک میں کس قسم کے عناصر پرورش پا رہے ہیں، کیسے خبروں کے پس منظر میں جائزہ دیا جاسکے۔

— ملیح آباد میں ایک کروڑ روپے کے بین الاقوامی زرمبادلہ میں گھپلے کا انکشاف۔

— فوجی یونٹوں کے پڑوسی یورپ سے برآمد، یہ اسمگلنگ نیٹ ورک سے جڑے ہو سکتے ہیں۔

— ۱۹۸۰ء کے دوران راجستھان میں ۴۳ ڈاکے پڑے، جبکہ گذشتہ سال ان کی تعداد ۳۴۲ تھی، لوٹ مار کے ۲۷۶۹ واقعات ہوئے جبکہ گذشتہ سال ان کی تعداد ۲۱۶۹ تھی، وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کا پارلیامنٹ میں بیان۔

— نئی دہلی میں ۱۹ اور ۲۰ ہزار کے درمیان ناجائز کارخانے موجود ہیں۔

— ایک انکوائری کمیٹی کی تفتیش کے مطابق زہریلی شراب سے جو جنوری میں اندور ضلع میں ۲ درجن افراد کی قربانی لے چکی ہے۔ اس

کر پولس کے تھانے میں پہنچا جاتا تھا (ٹائمز آف انڈیا ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء)

— بینکوں میں ۱۰ کروڑ کی جعلسازی کے ۱۳ مشتبہ معاملات پکڑے گئے۔ (پیام ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء)

— بینک میں ایماندار بیوپاری کی ہر سال دو ہزار کروڑ روپیوں کا ڈاکہ ڈالتے ہیں، پچھلے دنوں کنٹرولر جنرل کے سروے سے یہ نتائج سامنے آئے ہیں، کہ ہر ایک منٹ میں ملک کے یہ بیوپاری صارفین کو کم تول کر ۲۴ ہزار روپے زیادہ کما لیتے ہیں۔ اور اس طرح دن بھر میں وہ چھ کروڑ روپے بے ایمانی سے کما لیتے ہیں، اس فہرست میں تمام طبقوں کے بیوپاری موجود ہیں، ایک معمولی سے کرانہ والے سے بڑے بیوپاری تک۔

— پیر کے دن اندور ملک میں لڑکیوں کی تعداد بڑھ جانے کے لئے فوراً آل انڈیا ایسوسی ایشن نے اپنے تمام ممبران کو ہدایت کی کہ اس دن صنعتوں میں تعطیل کر دی جائے، اور ہڑتال کا اعلان کر دیا جائے، تاکہ مزدور دہلی آ سکیں۔ (ہندوستان ٹائمز دہلی)

— ۳ کانسٹبل ایک نابالغ لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے، مدھیہ پردیش کے وزیر داخلہ مسٹر ایم پی شکلا کا اسمبلی میں بیان۔

— ہریانہ اسمبلی میں وزیروں اور مخالف ممبروں کے درمیان ہاتھا پائی اور گھونسہ بازی۔ دعوت ۱۳ مارچ

— یوپی میں ہر ۵۰ منٹ کے بعد ایک قتل، ڈکیتی یا زنا۔ ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی ممبر پارلیامنٹ

یہ ہے ہمارے ملک کی اخلاقی حالت کی مکروہ تصویر، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر طبقہ ایک دوسرے کا خون چوسنے میں مصروف ہے، بے حیائی اور فحاشی میں یورپ کا مقابلہ کرنے کی بھرپور کوشش جاری ہیں۔ فلموں میں عریانیت اور فحش لٹریچر کے ذریعہ نوجوانوں کے ذہنوں میں جنسی انارکی اور فرائڈ ازم کے نظریات کو جاگزیں کرنے کی مذموم حرکات میں تیار ہو رہی ہیں، اور اس طرح گویا ہندوستان کے دشمنوں کی غیر شعوری طریقے سے تکمیل کی جارہی ہے۔ کہ ہم اخلاقی زوال کا شکار بنا کر ملکوں کو ناکارہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لیں گے، تمام جہاد

ترقی پسند تحریکوں کی طرف سے ڈاروِن، مارکس اور نیٹشے کے افکار کو جمہوریت کے لبادہ میں چھپا کر پھیلایا جا رہا ہے، دوسری طرف غریبی، بیکاری کا سہارا لیکر کمیونسٹ پارٹیاں مذہب کی جڑیں کھود رہی ہیں۔

ان حالات میں ملک کا عوام ایک انصاف پسند اور بے لوث نظام کو دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ جمہوریت سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، اس موقع پر جبکہ جمہوریت کی موجودہ شکل کو چیلنج کا سامنا ہے، خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں اس کے ختم ہونے سے نظام حکومت کا خلا آئندہ وجود میں آنے والا ہے، اس نے مسلمانوں کو غائبانہ طور سے آواز دینا شروع کر دیا ہے، مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں انسانیت کو سہارا دیں، اس بے ضمیر معاشرہ کو جھنجھوڑ کر بیدار کریں اور اس کی اصل حیثیت واضح کریں، اور دفاعی رول انجام دینے کے بجائے ملک کی معاشرت کو تعلیم، اخلاق، مذہب اور سیاست کے میدان میں داخل ہو کر پکے ہوئے سسکتے عوام کی زخمی آرزؤں اور تمناؤں کو پورا کریں ہم کو سوچنا چاہئے کہ کیا ہم اس ملک کو سب کچھ دے سکتے ہیں، اس وطن میں کروڑوں انسان جانوروں سے بدتر زندگی گذار رہے ہیں، ایک دوسرے سے بڑھتی ہوئی نفرت اور چھوت چھات پر سوار ہونے کے خونوں میں مبتلا افراد کا ہاتھ پکڑنے کی ضرورت ہے، ہندوستان میں منصفانہ اور عادلانہ نظام لانے کی تمام تر کوششیں ناکام ثابت ہو گئی ہیں، مسلمان لیتے ان اصولوں کو جنہیں وہ جان سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں، اور جن کے تحفظ کے لئے بڑی بڑی جانی و مالی قربانیاں بھی دیتے رہتے ہیں، ملک کے سامنے پیش کریں۔ یہ کیسی بات ہے کہ فلاں پارٹی ان کا اپنے نظریات کی دعوت دیتی ہے، تو اس کے پیچھے لگ جانے کی تسکین اگر ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھیں ایک منظم تحریک کی شکل اختیار کریں، اور اسلام کے آفاقی پیغام کو پیش کریں۔ تو یہ کہنے والوں کی طرف سے آنکھ کر دیکھتے ہیں، اور ان کی صحت عقلی پر شبہ کرنے لگتے ہیں۔

یہ خیال بھی ذہن میں آتا ہے کہ اکثریت جارحانہ مزاج رکھتی ہے اور چونکہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اس لئے وہ ان کی بات نہیں سنیں گی یا پھر یہ کہ ملک کے تمام وسائل پر ان کا قبضہ ہے۔ اس لئے ہماری ہر بات کو غلط طور سے پیش کریں گے، تو ان شبہات و اعتراضات میں کوئی وزن نہیں، دنیا کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اصولوں میں قبولیت کی طاقت و صلاحیت ہو اور ان کو لیکر چلنے والوں میں استقامت، خلوص اور کردار کی پختگی ہو، تو چھوٹی چھوٹی اقلیت بڑی سے بڑی اکثریت پر غالب آجاتی ہے، اس دعوت کا ساتھ ہمیشہ غلط فہمیوں ہی سے رہا ہے اور اکثر وہ لوگ جو جارحانہ عزائم لیکر اس دعوت پر حملہ آور ہوئے ہیں اور وہ ان کی زندگی کے خاتمہ کی قسم کھاتے ہیں۔ وہ لا الہ الا اللہ کر اس دعوت کے مضبوط دست و بازو بن جاتے ہیں۔ اور اس کے گہرے وفادار ثابت ہوتے رہیں۔

سماجی و طبقاتی کشمکش کے بھیانک نتائج کی وجہ سے ملک کی تمام اقلیتیں اور اکثریت کی انصاف پسند تعداد مسلمانوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ تمام لوگ ان کی دعوت کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہیں، وہ امن و سکون کے متلاشی ہیں۔ مگر وہ خود نہیں سوچتے، ان کو سوچنا چاہئے کہ دنیا میں ان کی کیا حیثیت ہے۔ کیا وہ اکثریت کے غیظ و غضب کا شکار ہونے کے لئے وجود میں آیا ہے یا حکومتوں کی رعایتوں کی بھیک پر اپنی زندگی کے ایام ختم کرنا چاہتے ہیں؟ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ رعایتوں اور سہاروں کا نام زندگی نہیں، بلکہ جو لوگ اس راستہ کو اپناتے ہیں، وہ دوسرے لفظوں میں دوسرے درجہ کی شہریت تسلیم کر لیتے ہیں، دنیا ان لوگوں کی قدر نہیں کرتی جو رحم و کرم کی بھیک پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کو سر چڑھاتی ہے جو زمانہ پر سوار ہو کر اس کی باگ ڈور موڑنا جانتے ہیں۔

یہ باطل نظام اور غلط اصولوں کی طرفداری کرنے کے بجائے ایک واضح متعین نصب العین کے طرف پیش قدمی کریں، جو غیر اسلامی اصولوں کی طرفداری کرتے گویا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مذہب

چند مخصوص عبادات اور رسم و رواج کا نام ہے مسلمانوں کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارے ملک کی انسانیت کے لئے اور مظلوم عوام کو جو بیماریاں لاحق ہیں ان کا نسخۂ شفا ان کے پاس موجود ہے، اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ وقت کے غالب تصورات کے آگے ہتھیار ڈال دینے اور اپنے آپ کو گم کر دینے کا مطلب شکست و پسپائی ہے۔ اس کے اندر بظاہر چہل پہل معلوم ہوتی ہے، تحرک اور تنوع محسوس ہوتا ہے، سرگرمیاں نظر آتی ہیں مگر اندرونی طور سے وہ ذہنی و فکری جمود و تعطل پیدا ہوتا ہے جو ان کو خود غرضی کے جال میں پھانس کر پستی میں ڈال دیتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں جمہوریت کا تجربہ بری طرح ناکام ہو چکا ہے، انتہا پسند طاقتیں برہمنی سامراجی نظام کو مظلوم عوام کے اوپر مسلط کرنے کی کوششوں میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہو گئی ہیں، بائیں بازو کی پارٹیاں عوام کے بھڑکتے ہوئے جذبات کا فائدہ اٹھا کر ان کے ذہنوں کو اور بیکنگ کی طرف موڑنے کے لئے گہری سازشیں سرانجام دینے میں سرگرم عمل ہیں، روسی طرح جاگیردارانہ طبقہ پھر اسی دور کے خواب دیکھ رہا ہے جب انسان کی قیمت جانوروں سے زیادہ نہیں تھی، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان فکری اور نظریاتی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان عمل میں آئیں اور اپنے ملک کے سامنے آفاقی اور ابدی پیغام خداوندی کو پیش کریں جس کے اندر ان کی فلاح مضمر ہے، اس ملک کے شب و روز بدلنے کے لئے کربستہ ہو جائیں، اور مصیبت زدہ انسان کو انسانیت کی اعلیٰ اور روشن قدروں سے روشناس کرائیں، ان کو دعوت دیں اور جرأت کے ساتھ دیں، کہ ہم بھی ایک دعوت رکھتے ہیں۔

میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایک جگہ ساکت و جامد بیٹھے رہنے کو زمانہ پسند نہیں کریگا، اگر ان مضطرب حالات میں بھی اس پیغام کو پیش نہیں کرتے تو دوسرے ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور پھر چاروناچار اسی کو اختیار کرنا پڑیگا جس کو وہ پسند نہیں کریں گے، اگر خود ایجابی طور پر کوئی رہنمائی نہیں کریں گے تو دوسرے لوگ سربراہی کا فریضہ انجام دیں گے اور پھر اس ملک کی تباہی و بربادی میں جو کچھ کسر باقی رہ گئی ہے اس کو پورا کر دیں گے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کا عوام اپنے سماج اور معاشرہ کی تمام قوتوں کی اور اکسپلوٹیشن سے تنگ آ چکا ہے اور دکانداری کی خواہش اس کے دل میں بھی سر اٹھا رہی ہے، کہ یہاں پر عمر فاروق جیسا طرز حکومت ہونا چاہئے، اور خدا نخواستہ ہم نے اب بھی اس خواہش کو پورا کرنے اور خدا کی طرف سے جو فرض ہم پر عائد ہوتا ہے اس کو انجام دینے سے کترائے یا سستی کا ثبوت فراہم کیا تو یہ ملک تباہ و برباد ہو جائیگا، اور ہم اس کی تباہی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

امید ہے کہ مسلمان وقت کے اس آواز کو پہچانیں گے اور خطرہ کا سائرن سن کر اپنے تحفظ کے لئے اور اپنے انسانی بھائیوں کے تحفظ کے لئے فرض کی انجام دہی میں مصروف ہو جائیں گے۔

* * *

بقیہ صفحہ ۱۱ کا

قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں انکو بڑے غور سے آپ پڑھیں۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کام جن لوگوں کو کرنا ہو ان کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔

اصلاح احوال کی کوئی تنظیم اس وقت مؤثر ہو سکتی ہے جب وہ خود بحیثیت ایک جماعت اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرے۔ پھر اس کے ساتھ جو لوگ بھی ملتے جائیں گے۔ اس کے مطابق ڈھلتے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے تنظیم میں یہ قوت پیدا کی ہے کہ افراد اس کے سانچے میں ڈھلتے ہیں بشرطیکہ وہ افراد اسکے اندر شامل ہیں جو اس کے اغراض کو پوری طرح برقرار رکھنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ اگر بدعنوانی کرنے والے افراد اس میں شامل ہوتے جائیں تو جیسے جیسے وہ داخل ہوں گے اس تنظیم کی بنیادوں کو کمزور کرتے چلے جائیں گے۔

راشد حامدی متعلم جامعۃ الفلاح

[illegible]

ہاکی ٹورنامنٹ بڑے زور و شور سے جاری تھا۔ دونوں ٹیمیں مقابلہ پر غالب آنا چاہتی تھیں۔ ایک ٹیم کے سینٹر فارورڈ کو کھلاڑی ... گئے اس کی ابتدائی پوزیشن کمزور پڑ گئی۔ پھر کیا تھا مخالف ٹیم مختصر وقفے ... پر چھا گئی۔ حالانکہ اس کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط تھی لیکن کب تک مخالف ٹیم کے پے در پے حملوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور ایک جیتتی ہوئی ٹیم بری طرح ہار گئی۔

اسی طرح قوموں اور ملتوں کا معاملہ ہے جب کسی قوم کی ابتدائی پوزیشن کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کی دفاعی پوزیشن لاکھ مضبوط ہو وہ زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے جب کوئی قوم اپنی پیشقدمی کی قوت اور آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو دیتی ہے اور غفلت کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ عظیم الشان عمارتوں جیسے دیا ... قلعوں اور اپنے وقت کی عظیم تہذیب قوم ہونے کے باوجود آہستہ آہستہ جمود و تعطل کا شکار ہو جاتی ہے۔

ملت ہمیشہ زندہ ہوتی چلی رہتی ہیں جیسے شجر طویل تو بہت سے ایسے درخت جن کی جڑیں گہرائی تک پہنچ چکی تھیں یا جو کھوکھلی ہو چکی تھیں انہیں آندھی نے جڑ سے اکھاڑ دیا لیکن کچھ ایسے درخت بھی تھے جو رات بھر سینہ تانے ہواؤں کا مقابلہ کرتے رہے یا آخر ہوائیں ناکام ہو گئیں۔

میں نے سوچا کہ جب کسی تحریک یا جماعت کے افراد ان اصولوں کو اپنی عملی زندگی میں داخل نہیں کرتے یا ان اصول و ضوابط سے ایمان و ایقان اٹھ جاتا ہے جن پر تحریک کی اساس و بنیاد رکھی گئی ہے تو وہ کسی بھی قسم کی مزاحمت برداشت نہیں کر سکتے اور آزمائش کے موقع پر کھوٹا سکہ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن وہ افراد جن کی زندگیاں اصولوں کے تحت گزرتی ہیں وہ ناسازگاری حالات کے باوجود اپنے اصولوں پر کاربند رہتے ہیں۔ اور آزمائش کے کسی بھی مرحلے میں ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آتی۔

معذرت کے ساتھ

ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں کہ انقلابی شخصیات نمبر میں۔

مولانا عبدالرزاق لطیفی صاحبؒ کے سلسلے میں جو مضمون مولانا انعام الرحمٰن خان صاحب کے نام سے چھپا [illegible] ان کا مضمون نہیں ہے بلکہ اس کے مرتب مولانا [illegible] امیر حلقہ آندھرا پردیش ہیں۔ [illegible] جب آپ کا مضمون آیا تو اور سال کر [illegible] دیا تھا تو نام معلوم کرنے کے [illegible] کی اس کے باوجود یہ معلوم [illegible] سے چھپا سا مذکورہ تمام [illegible] تو ہمیں بڑا افسوس ہوا۔ [illegible] سے بھی معذرت خواہ ہیں۔ . . .

ماہر القادری مرحوم

غزل

یوسفی گر نہیں ممکن تو زلیخائی کر
ان سے پیدا کوئی تقریبِ شناسائی کر

پہلے ہر غم کی محبت میں پذیرائی کر
چاک پھر دامنِ تسکین و شکیبائی کر

روبرو ان کے مرا حال سنانے والے
اپنی جانب سے بھی کچھ حاشیہ آرائی کر

نہ تمنا، نہ تری یاد، نہ ہو غم نہ خوشی
کبھی ایسا بھی عطا عالمِ تنہائی کر

میری قسمت میں ہے پتھر تری قسمت میں ہے پھول
اپنی شہرت سے نہ اندازۂ رسوائی کر

سب مرے حالِ پریشاں کا اڑاتے ہیں مذاق
اے غمِ دوست مری حوصلہ افزائی کر

شفق طاہری

غزل

ظالم پہ بھی بھر پڑا ہوں
اک شہر میں میں نظر پڑا ہوں

کچھ سہل نہیں ہے شعلۂ جاں
اندر سے بکھر بکھر پڑا ہوں

صدیوں کے حصار سے نکل کر
لمحوں کی صلیب پہ پڑا ہوں

ہر سمت ہیں ناشناس چہرے
کیا جانے کہاں اتر پڑا ہوں

احوال جہاں پہ ہے نظر بھی
ماحول سے بے خبر پڑا ہوں

ہوں مرکزِ کائنات لیکن
بے طاقت و بے اثر پڑا ہوں

اے روح خلوص جی نہ پگھلا
میں جرم ہوں اپنے سر پڑا ہوں

سینے دو پھٹی قبا کہ خود کو
مدت میں کہیں نظر پڑا ہوں

احساس ہوا ہے ٹھوکروں سے
شاید سرِ رہگزر پڑا ہوں

پلکوں میں پھنسا ہوں صورتِ اشک
دریاؤں کی ریت پہ پڑا ہوں

باہر سے تو خوش قبا ہوں لیکن
اندر سے کھنڈر کھنڈر پڑا ہوں

غیروں کا نہیں یہ اس کا دکھ ہے
رہنے دو مجھے اگر پڑا ہوں

گلیوں میں فساد غلغلہ شور
چپ چاپ سا اپنے گھر پڑا ہوں

راشد حامد کی دستخط جامعہ افغانی

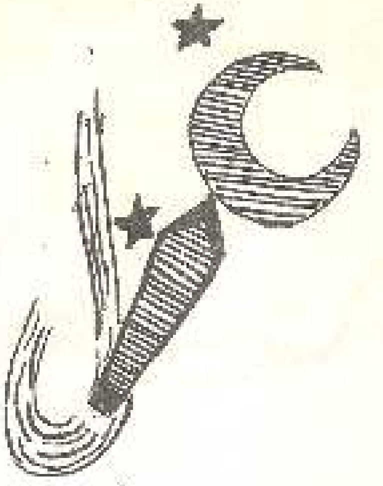

اک دیا ہم جو سرِ راہ جلا کر نکلے
ساتھ میں تند ہواؤں کے بھی لشکر نکلے

ہم نے سمجھا تھا کہ ہے شہرِ ستارہ ویراں
دل میں جب اُگا تو کئی چاند افق پہ نکلے

خونِ ناحق کی تو خنجر ہی گواہی دے گا
اور جتنے بھی تھے قاتل کے برادر نکلے

مقبرے بنتے ہیں زندہ لوگوں کے مکانوں سے بلند
کس قدر اوج پہ انسان کے مقدر نکلے

ظلمتِ شب میں جو دن کا تصور تھا مگن
یہ اندھیرے تو اجالوں سے بھی بڑھ کر نکلے

اب تو پتھر کے زمانے سے نکل آئے ہیں لوگ
اب تو سوچوں کے اندر سے بھی باہر نکلے

دورِ انصاف کی زنجیر بجائی ہے مگر
مجھ کو ڈر ہے نہ کہیں یہ بھی ستم گر نکلے

شعر میں بات چھپایا نہ کرو اے راشد
دیکھو افلاک بھی اسرار کے مظہر نکلے

جامعہ کے اخبار

۱۰ فروری کو جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کا ایک وفد جو ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی، شیخ عبداللہ الزائد وائس چانسلر اور شیخ صالح العبد الرحمن پر مشتمل تھا جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع سے واپسی کے موقع پر جامعۃ الفلاح کو اپنی زیارت سے نوازا۔

اس موقع پر طلبہ اور اساتذہ اور دیگر ذمہ داران مدرسہ نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ ناظم جامعہ جناب ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی سابق امیر جماعت اسلامی ہند کی صدارت میں مہمانوں کی آمد پر ایک پروگرام ہوا۔ جس میں معزز مہمانوں کے ساتھ ساتھ جامعہ کے تمام طلبہ نے بھی حصہ لیا۔ پروگرام کا آغاز شیخ زائد کے خطبہ جمعہ سے ہوا۔ شیخ زائد ایک بہت بڑے مجمع کو خطاب کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: آج مسلمان اور عالم اسلام کو مختلف قسم کے خطرات درپیش ہیں۔ ان کے علاوہ بین الاقوامی طور پر سازشیں کی جا رہی ہیں۔ بڑی طاقتوں کی خواہش ہے کہ مسلمان آپس میں لڑ کر تباہ ہو جائیں۔ اور ان کے اندر اتنی قوت اور حوصلہ نہ ہو کہ دنیا کی قیادت کر سکیں۔ اور اس دنیا میں آبرومندانہ زندگی گزار سکیں۔ ایسے حالات میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم متحد ہو کر ان خطرات کا مقابلہ کریں۔ اتحاد ہی ہمارے مسائل کا حل اور دکھوں کا علاج ہے۔ اتحاد کے ذریعہ ہم دنیا کو اپنا وزن محسوس کرا سکتے ہیں۔ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں انہیں اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارہ اور ایثار و قربانی کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اسی کے ساتھ ساتھ انہیں نمازوں کا بھرپور اہتمام کرنا چاہئے نماز ہی دراصل امت کے لئے اتفاق و اتحاد کا بہترین ذریعہ ہے۔ شب و روز پانچ مرتبہ اتفاق و اتحاد کا بے نظیر عملی درس دیتی ہے۔ اسی وجہ سے نماز کا دین میں بڑا ہی اہم مقام ہے۔ اسکو دین کا ستون کہا گیا ہے یعنی دین کی پوری عمارت اسی نماز پر قائم ہے۔ مسلمانوں کو اس کی اہمیت سمجھنی چاہئے۔ اور پورے خلوص و للہیت، شعور اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے۔

نماز جمعہ اور کھانے سے فراغت کے بعد مہمانوں نے جامعہ کے ایک اہم شعبے کلیۃ البنات کا معائنہ فرمایا۔ کلیۃ البنات کو دیکھ کر سب مہمان بہت خوش ہوئے اور طالبات کو بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ ناظم جامعہ مولانا ابو اللیث صاحب اور جماعت اسلامی ہند نے تعلیمی و تربیتی میدان میں جو کوشش کی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ جماعت اسلامی ہند کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے بچوں کے ساتھ ساتھ بچیوں کی تربیت کا اچھے اور مستقل علیحدہ بہترین انتظام کیا ہے۔ وائس چانسلر موصوف نے بچیوں کے سپاس نامہ کے جواب میں فرمایا۔ مدینہ یونیورسٹی میں طالبات کی تعلیم و تربیت کا مستقل انتظام ہونے کے بعد آپ کو ضرور موقع دیا جائے گا کہ وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کر سکیں۔

نماز جمعہ کے بعد محترم ناظم جامعہ اور طلبہ جامعہ کی طرف سے

سپاسنامے پیش کئے گئے۔ سپاسنامے کے جواب میں شیخ حفظہ اللہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا، اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں جامعۃ الفلاح کی زیارت کا زریں موقع عنایت فرمایا۔ اس موقع پر شیخ صالح عبدالرحمن المزروع نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ سرزمین ہند میں جماعت اسلامی ہند کی کوششیں قابل ستائش ہیں کہ اس نے عصر جدید کے تقاضے، میلانات، ذوق اور رجحانات کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے ایسے دانش کدے کی بنیاد رکھی ہے جس سے ایسی نسل ابھر رہی ہے جو موجودہ دور کے ہر چیلنج کا معقول، مدلل، منظم اور بھرپور جواب دے سکتی ہے۔ شیخ مزروع نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جامعۃ الفلاح اور جامعہ اسلامیہ کی مدت تاسیس میں صرف ایک سال کا فرق ہے، جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد [illegible] میں اور جامعۃ الفلاح کا [illegible] میں رکھا گیا۔ آخر میں شیخ مزروع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ پھر مجھے عبدی وائس چانسلر کے ساتھ دوبارہ یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس وقت میں ان سارے تعمیری پروگراموں کو مکمل پاؤں جو ابھی تک تشنۂ تکمیل ہیں۔ شیخ کی اس تقریر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ وائس چانسلر موصوف عشاء کی نماز کے بعد خطاب عام فرمائیں گے۔ بعد نماز مغرب جامعۃ الفلاح کے کچھ ہونہار طلبہ نے اپنے معزز مہمانوں کی خدمت میں عربی تقریریں، ترانے اور نظمیں پیش کیں جنہیں عرب مہمانوں نے کافی پسند کیا۔

بعد نماز عشاء مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ بن عبداللہ الزاید نے ایک بہت ہی بڑے مجمع کے سامنے مختلف مسائل پر بڑے ہی علمی اور دلنشیں انداز میں روشنی ڈالی۔ شیخ نے اپنے خطاب عام میں فرمایا کہ علمائے مغرب اور مستشرقین یورپ نے بے شمار غلط پروپیگنڈے کئے ہیں۔ جس میں سے ایک بہت بڑا پروپیگنڈا یہ ہے کہ اسلام صرف عربوں کے لئے آیا ہے۔ بعض دریدہ دہن متعصب اور نام نہاد دانشوران یورپ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں بلکہ مصلح و مفکر تھے، جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ عرب کی جاہلیت اور درندگی کو دور کر کے ایک مہذب شائستہ اور متمدن سوسائٹی کی تعمیر کریں۔ اسی سے ملتا جلتا ایک پروپیگنڈا یہ بھی ہے کہ اسلام صرف پرائیویٹ زندگی کیلئے ہدایات دیتا ہے، اجتماعی زندگی سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ شیخ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اسلام ساری دنیا کیلئے آیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اسلام زندگی کے سارے مسائل کا ایک متوازن حل پیش کرتا ہے اسکا تعلق صرف عبادات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ کار معیشت، معاشرت، تہذیب، تمدن اور سیاست و تہذیبی مسائل تک پھیلا ہوا ہے۔

شیخ محترم نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بعثت نبوی کے وقت چار تہذیبیں دنیا میں پائی جاتی تھیں، قیصر و کسریٰ، روم اور ہندوستان کی تہذیب لیکن اسکے باوجود دنیا میں بے قراری اور بے چینی بڑھتی ہوئی تھی۔ انسانیت امن و آشتی، عدل و انصاف، ہمدردی و غمخواری کے لئے ترس رہی تھی، اسلام نے انسان کے ہر دکھ کا علاج کیا، ہر مسئلے کا حل پیش کیا، مختصر سی مدت میں اسلام اپنی اخلاقی تعلیم، منصفانہ نظام اور عظیم الشان اصولوں کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیل گیا۔

آج پھر دنیا شرف انسانیت سے محروم ہو گئی ہے، عدل و انصاف کیلئے ترس رہی ہے، موجودہ مادی تہذیب اس دور کے مسائل کا حل پیش کرنے کے بجائے مزید پیچیدگیوں کا باعث بن رہی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانان عالم اپنی اہم ذمہ داریوں کو محسوس کر کے دنیا کے سامنے اسلام کی برتری اور عظمت کو اپنی پاکیزہ سیرت اور بلند اخلاق کے ذریعہ ثابت کریں۔ اس کے بعد شیخ نے بعد نماز مغرب خطاب عام دیا جس میں قرب و جوار کے بیشتر لوگوں نے شرکت کی پھر آپ حضرات سے قبل مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے لئے روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انکی تقریر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مرکز جماعت اسلامی ہند
چتلی قبر دہلی ۶۔ ۱۱ مارچ [illegible]ء

پریس ریلیز

گجرات میں انٹی ریزرویشن کی تحریک کے شر سے یہ خیر برآمد ہوا ہے کہ اس نے ایک بار پھر ملکی سماج کو جھٹکا دیا ہے اور وہ اس روگ کو اپنے جسد قومی BODY POLITIC سے نکالنے کے لئے مستعد ہو گئے ہیں لوک سبھا میں متفقہ تجویز اور اس کے بعد سیاسی پارٹیوں کا متفقہ ارادہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ لوگوں نے پارٹیوں سے اونچا ہو کر شرافت، عزت نفس اور انسانیت کی قدروں کو اہمیت دی ہے۔

تمام سیاسی پارٹیاں اور وزیر اعظم اس اقدام پر مبارکباد کی مستحق ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اسی طرح وزیر اعظم اور دوسری پارٹیاں فسادات اور دوسرے اہم مسائل کے سلسلے میں قومی اتفاق رائے (NATIONAL CONSENSUS) پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

گجرات کے لئے خصوصاً اور دوسری جگہوں کے لئے عموماً میری یہ درخواست ہے کہ ہمارے رفقائے جماعت اور مسلمانان ہند آگے بڑھ کر اس باہمی نفرت کو دور کرنے میں اپنا رول ادا کریں۔ رنگ، نسل، زبان اور فرقہ و ذات کی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے لیکن ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا انسانی توہین ہے۔ بدقسمتی سے یہ لعنت چونکہ ہمارے ملک میں زیادہ پائی جاتی ہے اسی لئے یہاں اسے خصوصیت سے دور کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔

دستخط محمد یوسف
امیر جماعت اسلامی ہند